www.mohaddis.com

311

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

جون ۲۰۰۷ء

۲ پاکستان میں نظریاتی کشمکش اور حل
۳۲ غامدیت اور اسلام؛ ایک تقابل
۴۷ 'مسجد ِاقصیٰ کی شرعی تولیت' پر مراسلت

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

جلد ۳۹ ، شمارہ ۶
جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
جون ۲۰۰۷ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زر سالانہ ۲۰۰ روپے
فی شمارہ ۲۰ روپے

بیرون ممالک
زر سالانہ ۲۰ ڈالر
فی شمارہ ۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c. No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎: 5866476
5866396
5839404

Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر
پاکستان میں جاری نظریاتی کشمکش اور حل — حافظ حسن مدنی — ۲

دار الافتاء
جلسہ استراحت، سفر کی مسافت، رکعات جمعہ — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۱۱

دفاعِ حدیث
مذہبی پیشوائیت؛ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ (۲) — ڈاکٹر محمد دین قاسمی — ۱۵
'غامدیت' اور اسلام ...... ایک تقابل — محمد رفیق چودھری — ۳۲

مباحثہ علمیہ
بیت المقدس کے شرعی حق دار مسلمان یا یہود؟ — حافظ زبیر، عمار ناصر — ۴۷
مسجدِ اقصیٰ کے شرعی حق دار مسلمان یا یہود؟ — عبدالرحیم وارثی — ۷۴

نقطہ نظر
مذہبی انتہا پسندی اور اس کے عملی مظاہر — ابوالحسن علوی — ۷۸

یادِ رفتگاں
مولانا قاری عبدالخالق رحمانیؒ — حافظ صلاح الدین یوسف — ۹۰

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے لہٰذا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

پاکستان میں جاری نظریاتی کشمکش اور اس کا حل

دورِ جدید میں 'اسلام' کے نام پر قائم ہونے والی واحد ریاست 'پاکستان' کو اس وقت شدید نظریاتی بحران کا سامنا ہے۔ چند سالوں سے جاری مسلسل اقدامات کے بعد آخر کار وہ مرحلہ بظاہر پیش آتا نظر آرہا ہے جب اس ملک کی نظریاتی اساس سے ہی انحراف کرلیا جائے۔ اس عرصے میں پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر لگاتار حملے کرنے کے بعد اُنہیں مختلف حیلوں بہانوں سے متنازعہ بنانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ عالمی پالیسیوں، سیاسی اقدامات اور ابلاغی مہمات کے بل بوتے پر دھیرے دھیرے پاکستان میں اس نظریاتی کشمکش کو عروج پر پہنچا کر آخر کار اپنے مطلوبہ نتائج تک پہنچانے کی کوششیں جاری ہیں۔

ماضی قریب میں یہ نظریاتی کشمکش کبھی ایسی صورتحال سے دوچار نہیں ہوئی جس کیفیت کا وطن عزیز کے راسخ العقیدہ مسلمان آج سامنا کررہے ہیں۔ فضاؤں میں زہر ناکی اور انہونے اندیشے پھیلے ہوئے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے اس ملک میں 'نظریاتی خانہ جنگی' کی کیفیت طاری ہو۔ یاد رہے کہ یہ جنگ دوطرفہ نہیں بلکہ مخصوص مقاصد کے لئے حکومتی ایوانوں سے جنم لے رہی ہے۔ مفاد پرست عناصر طاقت اور حکومت کے بل بوتے پر اپنے اہداف کو حاصل کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے اسلام کو تختۂ مشق بنایا جارہا ہے۔ اسلام پر کھلم کھلا تنقید کرنا تو مشکل ہے، لیکن اسلام کے نام لیوا علماے کرام، مدارس دینیہ اور اسلامی شعائر لگاتار نشانے پر ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماضی میں پاکستان کے جو حلقے 'اسلام دوست' یا 'اعتدال پسند' کہلاتے تھے، حکومتی ایوانوں سے اُبھرنے والی جنونی مہم جوئی کے ذریعے اُنہیں بھی تدریجاً 'روایت پسند'، 'شدت پسند' اور آخر کار 'انتہا پسند' قرار دیا جانے لگا ہے جس کے بعد 'دہشت گرد' کی 'سندِ توصیف' ملنے میں صرف ایک جست کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔ انتخابات

www.KitaboSunnat.com

کے مرحلے پر رہے سہے وہ باقی تمام 'اعزازات' ملنے کی پوری توقع ہے جسے عالمی صہیونی میڈیا عرصۂ دراز سے دنیا بھر کے تمام مسلمانوں، بشمول حکومتِ پاکستان پر چسپاں کرتا رہا ہے۔

یوں تو پاکستان میں سیکولر قوتوں کی عمل داری کی تاریخ بہت طویل ہے، لیکن حالیہ منظرنامے کی تشکیل میں دو بنیادی مرحلے خصوصیت سے قابل توجہ ہیں:

نائن الیون کے حادثہ کے بعد حکومتِ پاکستان کا امریکہ کی جھولی میں جا گرنا، امریکہ سے دہشت گردی کے خلاف کارفرما 'فرنٹ لائن سٹیٹ' کا اعزاز پانا، 'سب سے پہلے پاکستان' کا نعرۂ مستانہ بلند کرنا اور اس قربت کے بدلے عالمی برادری بالخصوص مسلم ممالک سے امریکی مفادات پر مبنی تعلقات استوار کرنا وہ اہم مرحلہ ہے جس سے عالمی طور پر پاکستان کا اسلامی تشخص ناقابل تلافی طور پر مجروح ہوا ہے۔ اس کے بعد سے پاکستان مسلم اُمہ کے لئے اپنے اس مخلصانہ کردار سے بطورِ ریاست دستبردار ہوگیا جو ہمیشہ سے اس کی خارجہ پالیسی کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اُسی بنا پر اسے اسلام کی نمائندہ اہم ترین مملکت سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس مرحلے پر پاکستان نے اپنے ہمسایہ مسلم ملک کے خلاف جارحیت کی حمایت کرکے اپنے لئے علاقائی مسائل میں ہی اضافہ نہیں کیا بلکہ اپنی سرحدوں کے اندر امریکہ جیسی توسیع پسند قوت کو جگہ دے کر ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اسی مناسبت سے فوجی اقتدار نے ملک کے داخلی حکومتی معاملات میں بھی امریکہ کی ڈکٹیشن کو والہانہ طور پر قبول کرتے ہوئے اس کے بامقصد تعاون اور سرپرستی میں کئی ایک سرکاری اقدامات کا بھی باضابطہ آغاز کردیا۔

یوں تو اندرونِ پاکستان اسلام دشمن اقدامات کا آغاز بھی اسی مرحلہ پر ہوگیا تھا جس کی مثالیں شعبۂ تعلیم کو 'آغا خان' جیسے 'اسلام مخالف گروہ' کے سپرد کرنے اور تہذیبی وثقافتی جنگ کو فروغ دینے سے دی جاسکتی ہیں۔ لیکن عملی طور پر موجودہ منظر نامہ کی تشکیل میں زیادہ تیزی گذشتہ ایک سال سے آئی ہے جس کے پس پردہ دراصل اپنے اقتدار کے خاتمے کا خوف کارفرما ہے۔ اقتدار کو طوالت دینے کے لئے حکومت نے گذشتہ برس کے اَواخر سے اس نظریاتی خلیج کو روز بروز وسیع سے وسیع تر کرنے کی پالیسی اپنا رکھی ہے تاکہ اس طرح ایک طرف آئندہ انتخابات میں عالمی قوتوں کی سرپرستی حاصل کی جاسکے اور دوسری طرف ملک میں ایک محدود

www.KitaboSunnat.com

لادین اقلیت کی بھرپور تائید میسر آسکے۔ یہ کوشش صرف موجودہ حکومت ہی نہیں کررہی بلکہ اس مقصد کے لئے اقتدار کے چند بڑے اُمیدوار بھی اسلام مخالف اقدامات میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ ڈال رہے ہیں تاکہ وہ مستقبل کے پاکستان کے لئے زیادہ موزوں حاکم قرار پاسکیں۔ پاکستان میں مغرب نوازی کی یہ صورتحال اب کسی سے مخفی نہیں رہی!!

اس سلسلے کا دوسرا اہم مرحلہ حدود آرڈیننس کی تنسیخ کی مہم اور جبر کی قوت سے اس میں من مانی تبدیلی سے شروع ہوتا ہے۔تحفظِ حقوقِ نسواں بل کے حوالے سے کم وبیش سال بھر سے جاری بحث اور حکومتی اقدامات کو کوئی نتیجہ خیز، مفید اور مثبت پیش رفت ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ سارا عمل ایک قوم میں جاری نظریاتی کشمکش کی افسوس ناک تاریخ ہے۔حقوقِ نسواں بل کی عین منظوری کے موقع پر جنرل مشرف نے اپنی تقریر کے ذریعے قوم کو انتہا پسندوں کے مقابلے میں اپنی قوت دکھانے کی دعوت دی تھی اور اس کے بعد سے لگاتار حکومتی اقدامات کا رخ یہی ہے کہ پاکستان کے اسلام پسند عوام کو زیادہ سے زیادہ پس قدمی پر مجبور کردیا جائے۔

جنرل مشرف آج بھی طاقت کی یہی زبان بول رہے ہیں اور لگاتار قوم کو اس بات پر اُبھار رہے ہیں کہ وہ 'انتہا پسندوں' کو مسترد کردے۔ اُنہوں نے اپنے اقتدار کے تسلسل کی وجہ جواز اس امر کو قرار دیا ہے کہ وہ انتہا پسندی کے بالمقابل 'روشن خیال اعتدال پسندی' کے داعی ہیں۔ لیکن ان کے اس 'انتخابی نعرے' کا پول چیف جسٹس آف پاکستان کی معزولی کے واقعے سے بخوبی کھل جاتا ہے کہ وہ لگاتار مذہبی طبقہ کو اپنے اقدامات کا مخالف بتا کر خود ساختہ مخالف کا ہوا کھڑا کررہے ہیں جبکہ حقیقتِ حال اس سے قطعی مختلف ہے۔ پاکستان کا مسئلہ دراصل مزعومہ انتہا پسندی نہیں بلکہ درحقیقت وہ مطلق العنان اقتدار ہے جو اپنی راہ میں کسی بڑے سے بڑے قومی ادارہ ..... چاہے وہ انصاف کا عظیم ترین منصب اور ریاست کا اہم ترین ستون 'عدلیہ' ہی کیوں نہ ہو..... کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ہر اس اہم چیز کے مخالف ہیں جو ان کے اقتدارِ مطلق میں ممکنہ رکاوٹ ڈالنے کی معمولی صلاحیت بھی رکھتی ہو۔

ملک میں جاری اس نظریاتی تصادم کا یہ پس منظر تو سیاسی ہے اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ انہی سیاسی محرکات کی بنا پر اس کشمکش کو پروان چڑھا کر قوم کو آپس میں صف آرا کیا جارہا

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن اس کے اثرات محض وقتی نہیں بلکہ اس سے پاکستانی معاشرے میں دین کے خلاف ایک مسموم فضا جنم لے رہی ہے۔ دین مخالف عناصر کی حوصلہ افزائی اور انہیں شہ ملنے کے سبب ان کے اسلام مخالف اقدامات میں کافی تیزی دیکھنے میں آرہی ہے جس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔ جیسا کہ ایک ماہ قبل لاہور کے الحمرا آرٹ کونسل میں 'اجوکا تھیٹر' کی طرف سے ایک ڈرامہ چلایا گیا جس میں پردہ، برقعہ، داڑھی اور حجاب کے اسلامی احکامات کو کھلم کھلا ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ برقعہ ویگنزا کے نام سے جاری اس ڈرامہ میں اسلام کی تضحیک اور دین دار مسلمانوں کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، لیکن اسلام کے خلاف جارحانہ پروپیگنڈے کی وجہ سے ایسی فضا پیدا ہوچکی ہے کہ اس سے دین مخالف عناصر کی بے باکی بڑھتی جارہی ہے اور اسلام کی حمایت ودفاع کرنے والے خاموش کھڑے نظر آتے ہیں۔

اس سے قبل پاکستان میں حکومتی سرپرستی میں بسنت منانے اور ثقافت کے نام پر موج میلہ کلچر کو فروغ دیا گیا، ملک میں شدید نظریاتی کشیدگی کے باوجود کئی بار 'میراتھن ریس' کا انعقاد ہوا، صوبائی حکومت نے اقتدار پر اپنی گرفت برقرار رکھنے کے لئے بڑھ چڑھ کر اس کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا اور اس میں شرکت کرنے والوں کو بڑے انعامات سے نوازا۔ ان ریسوں کے موقع پر انتظامیہ دینی جماعتوں کے مدمقابل کا کردار ادا کرتی رہی۔ توجہ طلب امر یہ ہے کہ میراتھن ریسوں کے انعقاد سے اسلام کو کیا خطرہ درپیش ہے اور اس کی کیا تہذیبی اہمیت ہے کہ ان کو روکنا ضروری خیال کیا جاتا رہا؟ جہاں تک ان میں مرد وزن کے اختلاط کا تعلق ہے تو یہ اسلام کے تصورِ حجاب سے متصادم ہے، علاوہ ازیں کسی بھی اجتماعی عمل کا معاشرت سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ یہ میراتھن ریسیں پاکستان کے اسلامی تشخص کو مجروح کرکے اس کو مغرب کے اباحیت زدہ معاشرے کے مشابہ قرار دینے کا کام انجام دیتی رہیں۔ حکومت کی طرف سے اس طرح کے اقدامات کی سرپرستی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس سے مغرب میں پاکستان کا 'سافٹ امیج' اُبھرتا ہے۔

حکومت کے زیر سرپرستی اس طرح کے لگاتار اقدامات کا نتیجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ پاکستان میں دین سے بیزاری عملاً بڑھتی جارہی ہے، اس سلسلے میں بعض جزوی واقعات سے

www.KitaboSunnat.com

بھی مدد لی جارہی ہے، مثال کے طور پر گوجرانوالہ میں سرور نامی شخص کا صوبائی وزیر ظل ہما کو قتل کرنا یا جامعہ حفصہ میں طالبات کا چلڈرن لائبریری پر قبضہ کرلینا وغیرہ؛ ان دونوں واقعات کو میڈیا میں اس طرح اُچھالا گیا ہے کہ اسے باعمل مسلمانوں کی ایک شناخت قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ پہلے حادثہ کی حمایت تو کجا، اس کی مذمت میں تمام دینی جماعتیں بہ یک آواز ہیں، جہاں تک جامعہ حفصہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی دوٹوک حمایت سے احتراز ہی کیا جارہا ہے لیکن اس کے باوجود ان واقعات کو اسلام کے خلاف میڈیا میں ایک علامت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی شعائر کے خلاف پھیلایا جانے والا یہ دباؤ اس قدر بڑھتا جارہا ہے کہ باپردہ خواتین کی حوصلہ افزائی کی بجائے ان کو مشکوک نظروں سے جانچا جاتا اور داڑھی جیسی سنت رسولؐ سے مزین شخص کو انتہاپسندی کے الزام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ معاشرتی دباؤ کا یہ عالم ہے کہ دو ہفتے قبل لاہور میں اے لیول کا امتحان دینے والی ایک طالبہ کی امتحان میں شرکت کو اس امر سے مشروط کردیا گیا کہ وہ اپنا حجاب اُتار پھینکے۔ ایسے ہی چند سالوں سے کئی اداروں اور دکانوں کے بارے میں لگاتار یہ خبریں سننے میں آرہی ہیں کہ داڑھی والے مردوں کی ملازمت کو داڑھی منڈوانے یا اسے مختصر کرنے سے مشروط کردیا گیا اور اس حکم کی پاسداری نہ کرنے والوں کو ملازمت کے خاتمے کا پروانہ مل گیا۔

دین داری کے خلاف یہ فضا صرف اخبارات کے ذریعے پروان نہیں چڑھی جس میں آئے روز جنابِ صدر کے ساتھ وزیر تعلیم کے اسلام مخالف بیانات بھی تواتر سے شائع ہوتے رہتے ہیں بلکہ اس میں کلیدی کردار الیکٹرونک میڈیا ادا کررہا ہے۔ دسیوں کی تعداد میں ٹی وی چینلز کو اسلام کی تائید وحمایت میں کوئی مثبت وسنجیدہ پروگرام پیش کرنے کی توفیق خال خال ہی ملتی ہے لیکن ایسے دانشور جو اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ کر روشن خیال اور مغرب نواز اسلام پیش کرتے ہیں، ان کے پروگراموں میں ٹی وی انتظامیہ کی والہانہ دلچسپی پائی جاتی ہے۔ ان نام نہاد 'اسلامی' پروگراموں میں اسلام کے مسلمہ عقائد کی تعبیر نو، مسلماتِ اسلامیہ سے انحراف واعتزال کی راہ اور نادر قرآنی استنباطات اور شاذ فقہی آرا کو پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ

www.KitaboSunnat.com

چینل دن رات مخربِ اخلاق میوزک پروگراموں اور فلموں کو پیش کر کے عملاً عشق و مستی پر مبنی تہذیب کے نمائندہ اور داعی کا مذموم کردار ادا کر رہے ہیں۔

صورتحال کا حل

پاکستان میں تاریخی اور معاشرتی طور پر اسلام کی اساسات اس قدر مضبوط ہیں کہ اُنہیں آسانی سے جڑ سے اُکھاڑنا ممکن نہیں، تاہم چند سالوں کے مسلسل اقدامات سے ان میں روز بروز کمزوری پڑتی جا رہی ہے۔ خدانخواستہ یہی صورتحال مزید کچھ سال برقرار رہی تو یہ دینی رجحانات مزید پس پردہ چلے جائیں گے، اس بنا پر اصلاحِ احوال کے لئے تمام سنجیدہ اور محبِّ ملک وملت عناصر کو اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کیلئے میدانِ عمل میں اُتر آنا چاہئے۔ قبل اس کے کہ دین پر عمل کرنا مزید اجنبی ہو جائے، اس مشکل کا مداوا کرنے کی ہر ممکن تدبیر بروئے کار لانی چاہئے۔ اس سلسلے میں بعض اقدامات کی نوعیت فوری ہے اور بعض کا تعلق طویل حکمتِ عملی سے ہے:

① موجودہ حکومت کا اصل حریف پاکستان کا نظریاتی طور پر اسلام سے وابستہ طبقہ ہے۔ یوں بھی یہ حکومت چونکہ امریکہ کی زیر سرپرستی اقتدار پر متمکن ہے، اس لئے اپنے سرپرست امریکہ کے اسلام مخالف اقدامات کا بھرپور عکس یہاں بھی پایا جانا ایک لازمی امر ہے۔ ان دنوں حکومت کی بعض غلطیوں کی بنا پر حکومت اور عدلیہ کے درمیان شدید تناؤ جاری ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقی کشمکش ذرا پردے میں چلی گئی ہے، لیکن حالات سازگار ہونے پر بالخصوص انتخابات کے قریب یہ نظریاتی تصادم پھر عروج پر پہنچ جائے گا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ براہِ راست کشمکش کی بجائے اس محاذ پر مصروفِ عمل مثبت تحریک کا بھرپور ساتھ دیا جائے۔ یوں بھی نائن الیون کے بعد سے اندرون و بیرونِ ملک جس طرح اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا میدان گرم کر دیا گیا ہے، ان حالات میں براہِ راست اسلام کے نام پر کھلی تائید حاصل کرنا کافی مشکل ہو گیا ہے۔ شاید اسی مشکل کی بنا پر تائیدِ ایزدی سے حکومت کا سامنا دینی طبقہ کی بجائے براہِ راست عدلیہ سے ہوا ہے۔

حالیہ عدالتی بحران میں وکلا کا کردار بڑا غیر معمولی رہا ہے۔ وکلا کے مختلف خیال حلقوں کا اپنی صفوں میں کلی اتحاد پیدا کر کے اس مزاحمتی تحریک کو پروان چڑھانا انتہائی قابل قدر ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اڑھائی ماہ گزرنے کے باوجود آج بھی وکلا برادری میں معمولی اختلاف کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔قومی بحرانوں کا سامنا ایسی مشترکہ جدوجہد سے ہی کیا جاسکتا ہے!!

وکلا کی اس مہم میں کامیابی اور ان کی سخت جانی کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ معاشرے کے دیگر مظلوم ومایوس طبقات بھی اُٹھ رہے ہیں۔اساتذہ اور تاجر برادری میں بھی ہلچل پیدا ہورہی ہے۔ان حالات میں دین کے نام لیوا حضرات کو بھی پوری یک سوئی اور مکمل یک جہتی کے ساتھ عدل اور انصاف کی آواز کے ساتھ کھڑے ہوجانا چاہئے۔

وکلا کا ایک ہی نعرہ ہے :'آزاد عدلیہ'..... جسے اُنہوں نے تمام قومی وعدالتی مسائل کا حل قرار دیا ہے۔اس تحریک سے دین دار طبقے کو بھی سیکھنا چاہئے کہ وہ کس طرح یک نکاتی ایجنڈے پر تمام دینی قوتوں کو یکجا کرکے قوم کو ایک واضح رخ دے سکتے ہیں۔حقیقی دہشت گرد عناصر اور انتہا پسند ایوان بخوبی طشت از بام ہوچکے ہیں،اس صورتِ حال میں مثبت حکمتِ عملی کے ذریعے دینی طبقوں کو مشترکہ قوت کے ساتھ کارگاہِ عمل میں آگے بڑھنا چاہئے۔

② پاکستان کی دینی تحریکیں اور تنظیمیں غیر معمولی افرادی قوت اور بہت بڑے تنظیمی نیٹ ورک کی حامل ہیں۔ان کے ادارے اور ان سے وابستہ ورکر سب سے زیادہ جانفشانی اور یکسوئی سے اُخروی جذبہ کے پیش نظر کام کرتے ہیں،ان کے پاس مقدس ترین سٹیج اور سینکڑوں صحافتی ذرائع ہیں۔ان میں سے ہر جماعت کا کروڑوں کا بجٹ ہے اور وہ ہرسال لاکھوں افراد کا اجتماع منعقد کرتی ہیں۔لیکن ان جماعتوں اور تنظیموں کا المیہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے دائرے میں مگن ہے اور اس نے اپنے گرد خود ساختہ حساسیت کے دائرے کھینچ رکھے ہیں۔اگر بعض مذہبی گروہوں پر فقہی تعصّبات کا غلبہ ہے تو باقی تحریکیں مخصوص سیاسی یا عوامی اَہداف میں منقسم ہیں۔ان میں سے کسی ایک کے حساس مسئلہ پر کوئی زَد پڑے تو وہ حلقہ پوری قوت کے ساتھ اس کا جواب دیتا ہے لیکن حساسیت کے اس دائرے سے باہر پہاڑ بھی سرک جائے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

فی زمانہ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہم اپنی وضع کردہ حساسیّتوں سے آگے بڑھ کر اسلام کی ہرنوعیت کی مطلوبہ خدمت کو بھی اپنا ہدف ٹھہرائیں۔نئے پیش آمدہ مسائل کے لئے

www.KitaboSunnat.com

فوری طور پر نئی جماعتیں اور تحریکیں قائم ہونا تو مشکل ہے، البتہ پہلے سے موجود قوت وصلاحیت کو نئے مسائل کے لئے بآسانی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر ملک کو درپیش بے دینی کی اس لہر کے کسی ایک نکتہ کی اصلاح کو بھی دینی جماعتیں اپنی ذمہ داری تصور کرلیں تو اس صورتحال سے نمٹ کر معاشرتی اصلاح کے فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے۔ لادین قوتوں کی اخلاقی کمزوری وپستی کا یہ عالم ہے کہ کوئی ایک مذہبی حلقہ ہی ان کے دفاع کے لئے یکسو ہوجائے اور ان کی ہر حرکت پر نظر رکھ کر مطلوبہ ردّعمل کا اظہار کرتا رہے تو حکومت کی ہزار سرپرستی کے باوجود ان کو سر چھپانے کو جگہ نہ ملے۔

ان حالات میں بعض دینی جماعتوں کا کردار واقعتاً قابل قدر ہے لیکن ایک طرف ہر معاملہ میں انہی سے توقع رکھی جاتی ہے تو دوسری طرف انہیں سیاسی اہداف سے مطعون بھی کیا جاتا ہے۔ دو طرفہ رویوں کی اصلاح کی ضرورت ہے، اسلام کا تحفظ اور دفاع تمام تحریکوں اور تنظیموں سے لے کر مدارس ومساجد تک ہر ایک کا مسئلہ ہے لیکن مثال کے طور پر حال ہی میں اسلام کی تضحیک پر مبنی ڈرامے کی پیش کش پر دینی تحریکوں کے مرکز لاہور میں کسی جگہ کوئی ہلچل نہیں مچی.....اس سرد مہری کی وجوہات پر بھی غور ہونا چاہئے.....!

③ یہ تو موجودہ صورتحال کا فوری حل ہے، جہاں تک طویل مدتی لائحہ عمل کا تعلق ہے تو اس کے لئے ہمیں اپنے دینی حلقوں کے رجحانات کو پھر سے تشکیل دینا ہوگا۔ اصل مسئلہ افرادِ کار اور درکار صلاحیتوں کا غیر موجود ہونا نہیں بلکہ مطلوبہ رجحانات کا ہے۔ جن موضوعات پر دینی حلقوں میں توجہ اور احساس پایا جاتا ہے، اس پر تحقیق ومباحثہ کا یہ عالم ہے کہ عام شخص کے لئے افکار وآرا کے اس مجموعہ میں سے ایک رائے کو اختیار کرنا بھی ایک سنگین مسئلہ بن جاتا ہے۔ ایسے مسائل جن کی حیثیت راجح ومرجوح سے زیادہ نہیں، ان پر دسیوں آرا پائی جاتی ہیں جن پر دلائل کا انبار اور جواب الجواب کی لامحدود تفصیلات بھی عام دستیاب ہیں۔ دوسری طرف وہ مسائل جن کا تعلق مبادیاتِ اسلام سے ہے، ان کے بارے میں ڈھونڈے سے کوئی ایک نقطہ نظر بھی میسر نہیں آتا۔ بالخصوص اجتماعی مسائل مثلاً معاشرت وسیاست اور تعلیم وصحافت کے موضوع پر اسلامی نقطہ نظر کی ترجمانی اور جدید معاشرے میں درپیش مسائل پر اسلام کا موقف اکثر

www.KitaboSunnat.com

وبیشتر بے توجہی کا شکار ہے اور اس سلسلے میں معاشرے کی رہنمائی کا فرض ادا نہیں کیا جارہا۔

ہماری نظر میں اصل مسئلہ صلاحیت اور افراد کا نہیں بلکہ رجحانات کا ہے۔ گذشتہ دنوں حدود قوانین کا مسئلہ چھ ماہ تک قوم کو درپیش رہا، لیکن شروع میں اس کے حوالے سے عوام کی سنجیدہ رہنمائی سے اِغماض برتا گیا، جونہی یہ بل منظور ہوگیا تو اخبارات کے صفحات اس کی مخالفت سے بھر گئے۔ وہ قدآور علمی شخصیات جنہوں نے بعد میں مضامین لکھ کر منظور شدہ قانون پر بھڑاس نکالی، اُنہیں مسئلہ پیش آنے پر یہ رہنمائی دینے کا احساس کیوں نہ پیدا ہوسکا؟ اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ صلاحیت کی بجائے عوامی رجحانات اور معاشرتی تقاضوں پر توجہ رکھنے کی ضرورت ہے!!

یہی صورتحال ٹی وی چینلوں پر پیش کئے جانے والے اسلامی پروگراموں کی ہے جو دینی اساس اور اسلامی نظریات کو کاری نقصان پہنچا رہے ہیں۔ دیندار اہل علم شخصیات تو ٹی وی سے ویسے ہی احتراز کرتی ہیں، جب کہ ایسی نشریات کے زہریلے اثرات معاشرے میں تیزی سے سرایت کرتے جارہے ہیں۔ ابھی تک ان ٹی وی پروگراموں کا کما حقہ تریاق مہیا کرنے میں کامیابی☆ حاصل نہیں ہوسکی۔ یہاں بھی بنیادی مسئلہ جوابی دلائل اور صلاحیت کے فقدان کا نہیں بلکہ دراصل رجحانات کا ہے۔ اگر اہل علم حضرات اپنی صلاحیتوں کو بعض مخصوص موضوعات پر تحقیق درتحقیق سے فرصت دے کر معمولی توجہ قوم کو درپیش ان زندہ مسائل کی طرف کرلیں تو معاشرے میں تیزی سے پھیلنے والے نظریاتی انتشار کا بخوبی مداوا کیا جاسکتا ہے۔

یوں تو اس نوعیت کے بیسیوں اقدامات اور بھی تجویز کئے جاسکتے ہیں لیکن مذکورہ بالا اُمور میں سے ہر ایک میں یہ قوت وصلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنی جگہ اکیلے ہی اس صورتحال کا مکمل حل بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تیزی سے بدلتے منظرنامے کا درست شعور عطا فرمائے، اور اس کے مطابق راست اور بروقت اقدام کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (حافظ حسن مدنی)

☆ یاد رہے کہ ٹی وی پر نشر کئے جانے والے مباحثے حقیقتِ حال کی پوری عکاسی نہیں کرتے بلکہ ان پروگراموں کے میزبان کو پروگرام کے دوران میں ہنرمندی اور فنکاری دکھانے کا خوب موقعہ مل جاتا ہے، رہی سہی کسر ایڈیٹنگ میں قطع وبرید اور مقررین کے من پسند انتخاب کے ذریعے پوری کردی جاتی ہے۔ اکثر پروگراموں کے یک رخے نتائج کی بنیادی وجہ دراصل یہی ہے جو اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی

◉ جمعہ کی فرض اور نفل رکعات کتنی ◉ کتنی مسافت پر نماز قصر کی جائے؟
◉ حدیث لولاک کی فنی حیثیت ◉ کیا جلسہ استراحت ضروری ہے؟

کیا جلسہ استراحت ضروری ہے؟

سوال: گزارش ہے کہ ہمارے محلے کی مسجد کے امام جب نماز پڑھاتے ہیں تو جلسہ استراحت کرنا بہت ضروری سمجھتے ہیں جس سے تقریباً آدھے نمازی اُن کی آواز 'اللہ اکبر' سنے بغیر ہی اُن سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ امام صاحب کو دیکھتے رہتے ہیں تاکہ وہ اُن کے اُٹھنے کے بعد کھڑے ہوں جو کہ خشوع وخضوع کے خلاف محسوس ہوتا ہے چونکہ ہمارے ہاں احناف اور اہل حدیث سب قسم کے نمازی ہوتے ہیں اور سب لوگ اتنا لمبا جلسہ استراحت ضروری نہیں سمجھتے جس سے نماز کی ہیئت ایک عجب شکل اختیار کرجاتی ہے۔اس سلسلے میں میں نے بعض اہل حدیث علما سے پوچھا تو اُن کا خیال تھا کہ امامت کے وقت امام کو جلسہ استراحت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ میں نے امام ابن قیم کی کتاب زادالمعاد کا مطالعہ بھی کیا ہے جس میں اُنہوں نے امام احمد بن حنبل کی رائے نقل کی ہے کہ جلسہ استراحت نبی ﷺ کی بیماری کی صورت میں دیکھا گیا جبکہ براہِ راست اُٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ ویسے بھی عقلاً نماز میں کوئی حرکت 'اللہ اکبر' کہے بغیر ممکن نہیں ہوتی تو جلسہ استراحت جو کہ ایک سکوت کی کیفیت ہے، بغیر دوبارہ اللہ اکبر کہے، کیسے اس سے نکلا جاسکے گا۔ ہر سکوت کی کیفیت سے دوسری حالت میں جانے کے لئے 'اللہ اکبر' کہنا ضروری ہے اس لئے براہِ کرم رہنمائی فرمایئے کہ امام کو کیسا رویہ اپنانا چاہئے۔ (ڈاکٹر محمد احمد، علامہ اقبال ٹاؤن)

جواب: جلسہ استراحت ابوحمید ساعدی کی مشہور حدیث سے ثابت ہے۔ ایسے ہی اس کا ذکر مالک بن حویرث کی حدیث میں بھی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ علامہ البانی فرماتے

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ جلسہ استراحت کو اس امر پر محمول کرنا کہ یہ حاجت کی بنا پر تھا، نہ کہ عبادت کی غرض سے لہٰذا یہ مشروع نہیں جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے، تو یہ بات باطل ہے اور اس کے بطلان کے لئے یہی کافی ہے کہ دس صحابہ نے اسے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز میں داخل ہونے پر سکوت اختیار کیا ہے اگر اُنہیں یہ علم ہوتا کہ نبی ﷺ نے اسے بوقتِ ضرورت کیا ہے تو ان کے لئے اسے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز داخل کرنا جائز نہ تھا۔ (ارواء الغلیل :۸۳/۲)

لہٰذا مقتدیوں کو چاہئے کہ طریقہ نبوی کے مطابق امام سے نماز کی تعلیم حاصل کریں اور امام صاحب پر اپنی مرضی ٹھونسنے سے اجتناب کریں۔ ساری خیر و برکت اسی میں ہے۔ فعل یا ترک ہر دو کا نام سنت ہے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

ولكننا نتبع السنة فعلا أو تركا (فتح الباری:۴۷۵/۳)

سماحۃ الشیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں کہ وہ احکام جو دین کی طرف منسوب ہوں، ضروری ہے کہ وہ دین کے نصوص سے ثابت ہوں اور ہر وہ شے جو زمانہ تشریعی اور شرعی نصوص میں ثابت نہیں وہ اس کے قائل کو واپس لوٹا دی جائے گی۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے جو فرمایا تھا، اس کا مقتضی بھی یہی ہے۔ (فتح الباری بہ تعلیق شیخ ابن بازؒ:۶۰۶/۴)

جلسہ استراحت کے ترک پر چونکہ شرعی کوئی نص موجود نہیں، لہٰذا اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔ تمام بھلائیاں سنت کی پیروی میں ہیں اور اسکو نمازی کی کمزوری پر محمول کرنا درست نہیں۔

جمعہ کی فرض اور نفل رکعات

سوال: نمازِ جمعہ کی سنتوں کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ کل کتنی ہیں؟ فرض سے قبل کتنی اور بعد میں کتنی؟ اس میں سنتِ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کون سی ہیں؟ براہ کرم بحوالہ حدیث رکعتوں کا شمار اور تاکید و غیر تاکید کی تفصیل کے ساتھ وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب: شرعی اصطلاح میں فرضوں کے علاوہ سب نوافل ہیں۔ مؤکدہ، غیر مؤکدہ فقہاے کرام کی اصطلاح ہے۔ نمازِ جمعہ (جو دو رکعات باجماعت پر مشتمل ہے) سے قبل نوافل کی مقدار متعین نہیں؛ جتنے ممکن ہوں، پڑھے جاسکتے ہیں۔

☆ 'احادیثِ لولاک کا تحقیقی جائزہ' از محمد اسلم صدیق، شائع شدہ 'محدث': جولائی ۲۰۰۶ء، ص ۱۶ تا ۱۲۹

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں ہے: «ثم يصلي ما كُتب له» (صحیح بخاری:۸۸۳)
اورصحیح مسلم میں ہے: «فصلّى ما قدَّر له» (رقم:۸۵۷)
اورنمازِ جمعہ کے بعد چار رکعات نوافل ہیں۔ (صحیح مسلم:۸۸۱)
مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: القول المقبول، صفحہ ۶۲۵

حدیثِ لولاک کی فنی حیثیت

سوال: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ آپ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ حدیث «لو لاك لما خلقت الأفلاك» لفظاً اور روایتاً مشکوک ہے۔ آپ کو زحمت دے رہا ہوں کہ ① یہ حدیث کون سی کتاب میں وارد ہوئی؟ ② حدیث کی یہ کتاب احادیث کی کتابوں میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ③ اس حدیث میں لفظاً کیا سقم ہے؟ ④ اور روایتاً کیا سقم ہے؟ (رشید احمد، ہربنس پورہ، لاہور)

جواب: یہ حدیث مسند دیلمی میں ہے۔ اس کی سند میں راوی عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے بارے میں عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور یہ روایت صرف اسی کے واسطہ سے معروف ہے اور صنعانی نے الأحاديث الموضوعة صفحہ ۷ میں اس کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ مسند دیلمی میں ہر قسم کی روایات میں چھان بین کی ضرورت ہے بالخصوص جب کوئی حدیث صرف اس کتاب میں ہو تو مزید تتبع کی محتاج ہوتی ہے اور یہ بات بداہتہً معروف ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل کائنات کا وجود تھا تو پھر نص روایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے، یہ لفظاً سقم ہے۔ اس سلسلے میں حال ہی میں ماہنامہ 'محدث' میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ☆

سوال: سورۂ جمعہ میں آتا ہے کہ ''جب تمہیں نمازِ جمعہ کے لئے بلایا جائے تو دوڑ کر آؤ اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ تو آیا کیا اس آیت کی روشنی میں پہلی اذان خطبہ شروع ہونے سے ۱۵، ۲۰ منٹ پہلے دی جاسکتی ہے (یعنی جمعہ کے لئے دو اذانیں) ایک خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ صرف ایک اذان ہی دی جائے، لیکن اگر ایک اذان ہی دی جائے تو پھر اس آیت کا کیا

www.KitaboSunnat.com

مطلب ہے، کیونکہ اس آیت سے تو یہی واضح ہورہا ہے کہ جب حدیث میں حکم ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے آنے والے کے جمعے کا ثواب ملتا ہے۔ (محمد خورشید شاہ، راولپنڈی)

جواب: سورۂ جمعہ کی آیتِ کریمہ میں منبری اذان کا بیان ہے۔ پہلی اذان کا نہیں وہ تو خلیفہ ثالث عثمانؓ کے دور میں شروع ہوئی اور یہ ضروری بھی نہیں۔صرف جواز ہے قرآنی آیت میں وجوب کے وقت کا ذکر ہے۔ اُصولِ فقہ میں قاعدہ مشہور ہے: مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے اپنا کاروبار چھوڑ دینا چاہئے تاکہ آدمی منبری اذان کے وقت مسجد میں پہنچ سکے اور حدیث میں جن گھڑیوں کا بیان ہے وہ صرف فضیلت کی گھڑیاں ہیں، وجوب کی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیت میں پہلی اذان کی طرف اشارہ تک نہیں اور نہ آج تک کسی مفسر نے اس سے یہ بات سمجھی ہے جو آپ کے ذہن میں ہے۔ اصلاً اذان ایک ہی ہے جس طرح کہ خطیب صاحب نے فرمایا ہے۔اضافی اذان کے بارہ میں زیادہ سے زیادہ جواز ہے۔مزید تفصیل کے لئے سابقہ فتاویٰ کی طرف رجوع کریں۔

سفر کی کم از کم مسافت؟

❁ سوال: تعلیم الاسلام از مولانا عبد السلام بستوی کے صفحہ ۴۱۸ پر رقم ہے کہ ''سفر کی ادنیٰ مسافت کم از کم ۴۸ میل ہے، اس سے کم درست نہیں کیونکہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مکہ والو! تم ۴۸ میل سے کم میں قصر مت کرنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی: جلد ۱ ص ۳۸۷ باب قدر المسافة التي تقصر في مثلها صلاة، فتح الباری ۲/ ۵۶۶ في شرح باب في كم يقصر الصلاة) اور جن روایات میں نو یا تین میل کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نو یا تین میل سفر تک گئے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ اُنیس دن ٹھہرنے کی روایت (بحوالہ بخاری باب مقام النبي: ۸/ ۸۷) صفحہ ۴۲۰ پر لکھتے ہیں کہ ''قصر ہی کرتا رہے جب تک کہ اکٹھے ہی اُنیس دن سے زیادہ کی نیت کرے۔اس کی دلیل حضرت عباسؓ والی حدیث ہے جو ابھی گذری۔'' صحیح موقف کیا ہے؟

جواب: صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین کوس یا تین فرسخ (۹ کوس) نکلتے، یعنی سفر کرتے تو قصر پڑھتے۔ اس حدیث کو لمبے سفر پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ پھر ابن

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی

قسط نمبر۲

مذہبی پیشوائیت ؛ مذہبِ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ

قیامِ پاکستان اور نفاذِ اسلام

پاکستان بن جانے کے بعد جب اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا جس کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا تو مسلم لیگ کے لئے نفاذِ اسلام ایک مسئلہ بن گیا، کیوں؟ اور کیسے؟ یوں اور اس طرح کہ اگرچہ مسلم لیگی حکمرانوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر پاکستان بنا لیا تھا، لیکن وہ اس میں اسلام کو اس لئے نافذ نہیں کر سکتے تھے کہ وہ خود مغربی افکار ونظریات کا دودھ پی پی کر یورپ کے فاسد تمدن کی گود میں پرورش پائے ہوئے تھے۔ اور اسلام کی تعلیمات سے بے خبر تھے۔ اس لئے اگر وہ نیک نیتی سے چاہتے بھی کہ یہاں اسلام کو نافذ کر دیں، تو وہ اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے، لیکن عوام الناس اور علماے کرام کی طرف سے نفاذِ اسلام کے لئے حکمرانوں پر جو دباؤ ڈالا جا رہا تھا، اس نے اربابِ اقتدار کے لئے بڑی مشکل پیدا کر ڈالی تھی۔ وہ یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ ''ہم اسلام کو نافذ نہیں کریں گے!'' کیونکہ اسی نعرہ کی کشش سے برصغیر کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا اور اسی کے نتیجہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اس مقصد کی نفی کا اعلان کرنا خود مسلم لیگ کی موت کا اعلان تھا۔ لیکن دوسری طرف وہ اخلاصِ قلب اور نیک نیتی کے ساتھ پاک سرزمین میں اسلام نافذ بھی کرنا چاہتے تو اسلام سے ان کی ناواقفیت اور بے خبری اور جہالت کی بنا پر وہ یہ بیڑا اُٹھا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس صورتِ حال میں حکومت کے سربراہ زچ ہو کر پیچ وتاب کھا رہے تھے اور اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا معاملہ بن چکا تھا کہ نہ ہی اُگلے بنے اور نہ ہی نگلے بنے۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن!

www.KitaboSunnat.com

پرویز صاحب کی خدمتِ سرکار

ایسے کٹھن وقت میں ہمارے 'مفکرِ قرآن' جناب غلام احمد پرویز صاحب، حکمرانوں کے کام آئے اور اُنہوں نے اسلامی نظام میں، جس کے نفاذ کے لئے ملک کے ہر طبقہ کی طرف سے دباؤ ڈالا جارہا تھا، کیڑے ڈالنا شروع کردیئے اور سرے سے اسلامی نظام اور اس کے تصور ہی کو ناقابل عمل قرار دینا شروع کردیا اور اس قسم کا پراپیگنڈہ کرتے ہوئے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہ..... بھلا، اس تہذیب وتمدن کے روشن دور میں چور کو قطع ید کی سزا دی جائے گی؟ زانی محصن کو رجم اور کنوارے زنا کاروں کو ضربِ تازیانہ کا نشانہ بنایا جائے گا؟ جنگی قیدیوں کو بعد از تقسیم غلام اور ان کی عورتوں کو کنیزیں بنا کر رکھا جائے گا؟ پھر یہاں کئی فرقے موجود ہیں، کس فرقے کی فقہ (بلکہ اسلام) کو نافذ کیا جائے گا؟ کیا باقی فرقے کسی ایک فرقے کی فقہ کے نفاذ کو گوارا کرلیں گے؟ جو علما نماز کے اختلافی مسائل کو ختم کرکے کوئی متفق علیہ شکل نماز طے نہیں کرسکے، وہ بھلا کسی متفقہ ملکی دستور وآئین کی تشکیل میں کامیاب ہوجائیں گے؟ تب بھلا اسلامی نظام میں فیصلے کا آخری اختیار کیا علما کے ہاتھ میں نہیں آجائے گا؟ اگر ایسا ہوگیا تو کیا یہ مذہبی پیشوائیت (Priesthood) نہیں ہوگی؟ پھر بھلا یہ اسلامی نظام کیا آج کے 'ترقی یافتہ' اور 'روشن دور' میں چل بھی سکے گا؟ کیا علما کا یہ اسلام آج کے انتہائی ارتقا یافتہ دور میں عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے؟.....

یہ اور اس طرح کے گونا گوں سوالات چھیڑ چھیڑ کر اُنہیں مختلف اسالیب و پیرایوں میں دُہرا دُہرا کر پرویز صاحب اور طلوعِ اسلام نے لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا شروع کردیا اور چونکہ یہ اسلامی نظام، قرآن وسنت پر مبنی تھا، اس لئے سنت کے بارے میں بھی ژولیدہ فکری پیدا کرنے کے لئے 'مفکرِ قرآن' مصروفِ 'جہاد' ہوگئے۔ سنتِ نبویہؐ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے طلوعِ اسلام میں ایک ارتیابی مہم اور تشکیکی تحریک چلائی گئی۔ جس طرح اسلامی نظام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے مختلف اسالیب اور متنوع انداز اختیار کئے گئے، بالکل اسی طرح سنتِ رسولؐ کے بارے میں بھی اُسلوب وانداز کو بدل بدل کر، اور طرح طرح کے سوالات کو چھیڑ چھیڑ کر دماغوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی گئی اور ایسا کرتے ہوئے

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف تو علماے کرام کا استخفاف اُڑایا جاتا کہ یہ علم سے کورے، بصیرت سے عاری، قرآن سے نابلد، دلائل سے محروم اور تقاضاے وقت سے بے خبر ہیں، جو طلوعِ اسلام کے سوالات و دلائل کا جواب تک نہیں دے سکتے اور دوسری طرف خود مظلوم بن کر اپنے قارئین کو پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) یہ تاثر دیتے رہے کہ علماے کرام ان کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈے، باطل الزامات اور افترا پردازیوں کے ذریعہ ان پر مظالم ڈھا رہے ہیں اور پھر عوام الناس سے یہ اخلاقی اپیلیں کی جاتیں کہ وہ دینی جماعتوں اور جماعتِ اسلامی کو اس غیر اخلاقی طرزِ عمل سے باز رکھنے کی کوشش کریں، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ اور اس قسم کی تھیں، وہ دلچسپیاں اور سرگرمیاں جن میں طلوعِ اسلام پاکستان کے ابتدائی دور میں مگن اور منہمک تھا۔

'دو اسلام' آمنے سامنے

اب پاکستان میں جناب غلام احمد پرویز صاحب کا ایجنڈا یہ تھا کہ ایک ایسا اسلام نافذ کیا جائے جسے خود اُنہوں نے مغرب کی بے خدا اور بے حیا تہذیب، یورپ کی فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی معاشرت اور اشتراکیت کے شکمی مساوات پر مبنی اقتصادی نظام کے بے جوڑ عناصر کے مجموعہ پر قرآنی ٹھپہ لگا کر تیار کیا تھا۔ اس کے برعکس علماے کرام چودہ صدیوں قبل عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں نافذ ہونے والا وہ اسلام قائم کرنا چاہتے تھے، جو قرآن و سنت پر مبنی تھا۔ لیکن 'مفکرِ قرآن' صاحب نے اپنے دوغلے نظام (Hybrid System) کو 'قرآنی دین' اور علما کے مبنی بر قرآن و سنت اسلام کو 'عجمی مذہب' کا نام دے کر محاذ آرائی شروع کر ڈالی۔ چنانچہ 'مفکرِ قرآن' صاحب نے فریقین کی اس باہمی کشمکش سے یہ تاثر اُچھالا کہ وہ وطن عزیز میں 'مُلّائی مذہب' کے مقابلہ میں 'قرآنی اسلام' نافذ کرنا چاہتے ہیں:

① ..... ''پاکستان آ کر اِن (علما) کے ساتھ پرویز صاحب کی کشمکش باندازِ نو شروع ہوئی۔ یہ یہاں اسی اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تھے جو اسلاف سے مسلسل چلا آ رہا تھا اور جس کے یہ حضرات اجارہ دار تھے۔ پرویز صاحب قرآنی اسلام کے نفاذ کے داعی تھے (اور ہیں) اور کشمکش کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔''[۳۳]

---

[۳۳] طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۴

www.KitaboSunnat.com

② .....''مذہبی پیشوائیت اور طلوعِ اسلام کے مسلک کی اس نزاع میں پرویز صاحب قرآن سے دلیل و برہان لاتے ہیں مگر مولوی صاحب کے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا اور وہ وضعی روایات سے اپنے موقف کی تائید لاتے ہیں۔''[۳۵]

معلوم نہیں کہ وابستگانِ طلوعِ اسلام کی یہ فریب خوردگی ہے یا فریب دہی کہ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ (موقفِ پرویز کے مقابلہ میں) علماے کرام کا کیا موقف ہے؟ نہ خود اُنہوں نے مطالعہ کیا اور نہ ہی تحقیق و ریسرچ کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ دونوں کے مواقف میں کیا فرق ہے؟ اُنہوں نے اپنے مخالفین کو خود اپنے کانوں سے سننے کی بجائے دوسروں کے کانوں سے سنا ہے۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے پرویز صاحب ہی کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اپنے فکری حریفوں کا مطالعہ خود ان کے اصل لٹریچر سے کرنے کی بجائے طلوعِ اسلام ہی کے صفحات سے کیا ہے اور کھلی آنکھوں سے دوسروں کے موقف کو پڑھ کر رائے قائم کرنے کی بجائے صرف پرویز صاحب ہی کے یک رخے مطالعے کی بنا پر اپنی رائے قائم کرڈالی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جانبدارانہ یک رخا مطالعہ صحیح رائے قائم کرنے میں ممد ومعاون نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص جبکہ اس لٹریچر کے علم بردار اپنے ظلمت کدوں میں روشنی کی کسی کرن کے درآنے کو پسند نہیں کرتے، جیسا کہ میری کتاب ''جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں''..... میں واضح کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ بھی وابستگانِ طلوع اسلام نے بیان فرمایا ہے، وہ قطعی غلط ہے۔ یہ لوگ جسے 'قرآنی اسلام' کا نام دیتے ہیں، وہ ہرگز قرآنی اسلام نہیں ہے اور جسے 'عجمی مذہب' کہتے ہیں، وہ بھی ایسا نہیں ہے اور یہ سب کچھ ان کے ناقص اور یک رخے مطالعے ہی کا نتیجہ ہے۔

مولانا مودودیؒ کی انتہائی مخالفت

فریقین کی اس کشمکش میں (جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے) مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کی آواز چونکہ پرویز صاحب کے اشتراکی برانڈ وضعی اسلام کے خلاف ایک منظّم اور مؤثر آواز تھی، اس لئے دیگر علما کی نسبت کہیں زیادہ، ان کے خلاف مخالفت وعناد کا لاوا 'مفکر

---

[۳۵] طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۷ء، صفحہ ۳۶

www.KitaboSunnat.com

قرآن' کے قلبِ آتش فشاں سے پھوٹتا رہا۔ اُنہوں نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کو جس طرح اپنی دریدہ دہنیوں، دشنام طرازیوں، بہتان تراشیوں اور کذب بافیوں کے ذریعہ نشانہ بنایا، اس کا ہلکا سا اندازہ میری مذکورہ بالا کتاب کے مطالعہ سے کیا جاسکتا ہے اور یہ تو صرف وہ کچھ ہے، جو بدت البغضاء من أفواههم کا مصداق ہے، ورنہ وہ کیفیت جو ما تخفي صدورهم أکبر میں مذکور ہے، اسے خداے علیم وخبیر کے سوا کون جان سکتا ہے۔ بہرحال اگرچہ پرویز صاحب کے اس 'قرآنی اسلام' کے خلاف جو کارل مارکس کی اشتراکیت ہی کا چربہ ہے، مولانا مودودی کے سوا دیگر علما نے بھی تردید کی تھی، لیکن 'مفکرِ قرآن' نے صرف مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی ہی کی مخالفت کو اپنا اوّلین اور مستقل فریضہ حیات قرار دیا:

ہم سفر اور بھی سرگرمِ سفر تھے لیکن
مجھ کو، رفتار سے، صیاد نے پہچان لیا

اور اس مخالفت کی وجہ جواز یہ پیش کی گئی:

''مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو قوتیں مصروفِ عمل رہی ہیں (اور آج بھی مصروفِ عمل ہیں) ان میں ملائیت کا حصہ بہت بڑا نمایاں ہے۔ اس کے نزدیک ملائیت، قرآن اور مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے۔ اسی لئے طلوعِ اسلام، ملائیت کی مخالفت کو، اپنی زندگی کا اوّلین فریضہ سمجھتا ہے۔'' (۳۶)

قبل اس کے کہ وجہ جواز کے اس سلسلہ کی دوسری کڑی کو پیش کیا جائے، 'مفکرِ قرآن' کی اس خود فریبی یا فریب دہی کی وضاحت ضروری ہے جس کے تحت وہ بساطِ سیاست کے چابک دست مہرہ بازوں سے بھی آگے بڑھ کر علماے کرام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ''مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھتے ہیں'' اور یہ کہ وہ ''قرآن کے بدترین دشمن ہیں۔'' حالانکہ وہ قرآن کے نہیں بلکہ قرآن کے اس مفہوم کے دشمن ہیں جسے 'مفکرِ قرآن' نے اَغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں مبتلا ہوکر منسوب اِلی القرآن کر رکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے کوشاں نہیں ہیں، بلکہ قرآن کے ان نت نئے مفاہیم سے دور رکھنے کے لئے سرگرمِ عمل

(۳۶) طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۵

www.KitaboSunnat.com

ہیں جسے 'مفکر قرآن' کی عقل عیار نے قرآنِ کریم کے گلے مڑھ رکھا تھا۔

بہرحال مولانا مودودیؒ کو 'ملائیت کا سرخیل' بنا ڈالنے اور جماعت اسلامی کو ملا قرار دے ڈالنے کے بعد سلسلۂ وجہِ مخالفت کی اگلی کڑی کو بایں الفاظ پیش کیا جاتا ہے:

''اس سلسلہ کی اگلی کڑی یہ ہے کہ ہمارے نزدیک پاکستان میں ملائیت، اپنی سب سے زیادہ خطرناک شکل میں 'جماعتِ اسلامی' کے پیکر میں پائے کوب ہے۔''[۳۷]

اس کے بعد یہ طے کرڈالا گیا کہ جماعتِ اسلامی اور اس کے امیر کی مخالفت نہ تو کبھی کبھار سرراہ کی جاسکتی ہے اور نہ ہی وقتی اور عارضی طور پر بلکہ اس کے لئے تو مستقل، مستمر، دائمی اور لگاتار مخالفت کی ضرورت ہے، جسے طلوعِ اسلام اپنی زندگی کا اوّلین فریضہ سمجھتا ہے۔ چنانچہ 'مفکر قرآن' صاحب لکھتے ہیں:

''ہم ان حضرات سے [جو نہایت اخلاص سے مولانا مودودی اور جماعت کے خلاف سوقیانہ پراپیگنڈہ کرنے سے، ہمیں منع کرتے ہیں... قاسمی] پوچھتے ہیں کہ اتنے بڑے خطرے کے سدباب کے لئے جس کی تصریح اوپر کی جاچکی ہے، یہ کافی ہوگا کہ طلوعِ اسلام کبھی کبھار سرراہے، جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا ذکر کردیا کرے..... جو لوگ طلوعِ اسلام میں جماعتِ اسلامی کی مخالفت کو 'زیادتی' سمجھتے ہیں، اُنہوں نے دراصل اس خطرے کی اہمیت اور ہمہ گیریت کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگایا۔''[۳۸]

چنانچہ اس بنیاد پر 'مفکرِ قرآن' (اور طلوعِ اسلام نے خوفِ خدا اور آخرت کی جوابدہی سے عاری ہوکر اور شرم وحیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ طے کیا کہ اپنے مقاصد کی بازیابی کے لئے ان کی ایک بڑی ضرورت..... بلکہ شاید سب سے بڑی ضرورت ..... یہ تھی کہ ان لوگوں کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ چھوڑا جائے، جو پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے، قرآن وسنت کا نفاذ چاہتے ہیں۔ چنانچہ طلوعِ اسلام میں اس مخالفت کو بلند ترین نصب العین کی حیثیت دی گئی اور اس کا شاید ہی کوئی شمارہ ایسا ہو جس میں منازعت ومخالفت اور عداوت وعناد کی موسلا دھار بارش نہ ہوئی ہو۔ مرورِ ایام کے ساتھ اس کی شدت میں مزید اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ جھوٹے الزامات کی بوچھاڑ، دھوکہ وفریب کی یورش، اور

---

[۳۷] طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۵ [۳۸] طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۴۶

www.KitaboSunnat.com

خیانت و بددیانتی کی یلغار کے ساتھ مجلّہ مذکورہ میں ایک شدید پراپیگنڈہ مہم شروع کی گئی تاکہ قرآن وسنت پر مبنی اسلام کے خلاف اور اسے نافذ کرنے کی جدوجہد کرنے والی قوتوں کے خلاف شکوک وشبہات اور ریب وتشکیک کا ایسا گردوغبار اُٹھایا جائے کہ حقائق نگاہوں سے مخفی ہوکر رہ جائیں۔ آئے دن نت نئے شگوفے چھوڑے اور شوشے اُٹھائے گئے۔

مولانا مودودیؒ کی برسوں پرانی عبارتوں کو 'نئے تقاضوں اور جدید ضرورتوں' کے تحت کھنگالا گیا، تاکہ جہاں کہیں بال برابر بھی اعتراض کرنے کی گنجائش ملے، اُسے شائع کرکے معاندانہ پراپیگنڈہ کیا جاسکے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا، لیکن مولانا مودودیؒ ان سب شیطانی چالوں سے بے نیاز اور ایں واں سے بے پرواہ ہوکر مستانہ ومردانہ وار، خدمتِ اسلام کے مثبت اور تعمیری کام میں منہمک رہے اور 'ترجمان القرآن' کو کبھی بھی 'طلوعِ اسلام' کا حریف نہ بننے دیا۔ لیکن طلوعِ اسلام اپنی اس یک طرفہ حریفانہ کشمکش کو مستقل جنگ میں تبدیل کرڈالنے کے لئے ہر ماہ مسلسل ایندھن ڈالتا چلا گیا تاکہ مخالفت وعداوت کے اس الاؤ کو نہ صرف یہ کہ بجھنے نہ دیا جائے، بلکہ اسے مسلسل بھڑکائے رکھا جائے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ کے خلاف ایک ہی طرح کی باتوں کو مسلسل بدلتے ہوئے انداز واسالیب کے ساتھ بہ تکرار واعادۂ بسیار دہرایا جاتا رہا تاکہ نفرت کے اس زہر کے پھیلاؤ میں جس قدر ممکن ہوسکے، اضافہ ہوتا رہے۔

مُلّا ازم اور حکومتی گٹھ جوڑ

علماے کرام، مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی سب کو مُلّا قرار دے ڈالنے کے بعد اُن کی توہین وتذلیل اور استہزاء وتضحیک کے لئے 'ملّائیت'، 'مذہبی پیشوائیت'، 'تھیاکریسی' اور 'پریسٹ ہڈ' کی اصطلاحات کو ذریعہ بنایا گیا اور پھر یہ 'افسانہ' تراشا گیا کہ ملاازم اور حکومت کا ہمیشہ اور ہر جگہ گٹھ جوڑ رہا ہے۔ پھر اسے بار بار بکثرت دہرایا جاتا رہا۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

① ..... ''مذہب میں حکومت اور مذہبی پیشوائیت میں ایک سمجھوتہ ہوتا ہے جس کی رو سے مذہبی اُمور، مثل اعتقادات، عبادات، پرسنل لاز وغیرہ، مذہبی پیشوائیت کے دائرہ اقتدار میں رہتے ہیں اور دنیاوی اُمور حکومت کے اختیار میں۔ مسلمانوں میں صدرِ اوّل کے بعد یہ ثنویت پیدا ہوئی اور مسلسل آگے بڑھتی گئی۔''[۳۹]

www.KitaboSunnat.com

② .....''اس قسم کی (یعنی فرعونی) آمریت، مذہبی پیشواؤں کی تائید کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی، اس مقصد کے لئے تخت و تاج اور محراب و منبر کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا، جس کی رُو سے اُمورِ مملکت سلطان کی تحویل میں دے دیئے گئے اور معاملاتِ شریعت اربابِ مذہب کے قبضے میں۔''[۳۰]

③ .....''مفاد پرست گروہ نے اقتدار کی کرسیوں اور رزق کے سرچشموں پر قبضہ کرلیا، مذہبی پیشوائیت نے اس خلافِ اسلام نظام کو عین اسلام ثابت کرنے میں 'شرعی سندات' مہیا کردیں۔''[۳۱]

④ .....''جب خلفاے راشدین کے جانشینوں نے سیاسی معاملات تو اپنی ملوکیت کی گرفت میں لے لئے اور مذہبی اُمور کو پیشوائیت کے سپرد کردیا۔ بظاہر یہ دو الگ الگ کیمپ دکھائی دیتے تھے، لیکن ان کے مابین ایک ملی بھگت اور 'شریفانہ معاہدہ' کم وبیش ہر دور میں قائم رہا۔ مسلمان حکمران ان مذہبی پیشواؤں کے لئے مالی وظائف کا انتظام کرتے اور اس کے بدلے میں مذہبی پیشوائیت ان حکمرانوں کو 'امام المسلمین' اور 'ظل اللہ' کے مقدس خطابات سے یاد کرتی۔''[۳۲]

بنو اُمیہ کے دور کی تاریخ میں سے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے 'مفکر قرآن' صاحب، علماے کرام کو یوں نشانہ بناتے ہیں:

''جب قانونِ مکافات کا احساس جاتا رہا تو پھر بادشاہ ہر قسم کی من مانی کرتا۔ سلب ونہب، لوٹ کھسوٹ، ظلم و استبداد، اُمت کے حقوق کی پامالی اس کا معمول بن جاتا۔ وہ اپنی مطلق العنانی کے زور پر یہ کچھ کرتا تو رہتا لیکن اسے یہ خیال ضرور ستاتا کہ اگر ان مظالم سے تنگ آ کر کسی دن قوم اس کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی تو اس سیلاب کا روکنا ناممکن ہوگا۔ وہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا۔ جب اس خطرہ کا احساس زیادہ نزاکت اختیار کرگیا تو (جیسا کہ ہوتا چلا آیا ہے) مذہبی پیشوائیت آگے بڑھی۔ اس نے سلاطین سے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ قوم مذہب پرست واقع ہوئی ہے، اسے مذہب کے حربوں سے ایسا مفلوج کیا جاسکتا ہے کہ یہ اُٹھنا تو درکنار، ہلنے تک کے قابل نہ رہے۔ اس کے لئے اُنہوں نے اس عقیدہ کو عام کیا کہ تمام

---

۳۰ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۵
۳۱ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۷۳ء، صفحہ ۸
۳۲ طلوع اسلام، جون ۱۹۶۷ء، صفحہ ۵
۳۳ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۶ء، صفحہ ۴۹

www.KitaboSunnat.com

کائنات خدائے مطلق کے حیطۂ اقتدار میں ہے۔ یہاں ایک پتہ بھی، اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ جو کچھ ہوتا ہے سب اس کے حکم اور اجازت سے ہوتا ہے۔ انسانوں کا غلط قدم اٹھانا تو درکنار وہ آنکھ تک بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں جھپک سکتا۔ انسان مجبورِ محض ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے سلاطین کی مطلق العنانیت (ڈکٹیٹرشپ) کے مسلک کی تائید اس آیتِ قرآنی کی غلط تاویل سے کی کہ ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ...﴾ (۲۵/۳) ''حکومت خدا کی طرف سے عطا کردہ ہوتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے، حکومت عطا کر دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔'' اس ایک عقیدہ سے، حکومت سے قوم کا عمل دخل ختم ہوگیا۔ کسی نے خلیفہ سے کچھ کہنے کی جرأت کی تو اس کا جواب موجود تھا کہ مجھے حکومت خدا نے دی ہے، تم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟ تم خدا کے فیصلے کے خلاف سرکشی کرنا چاہتے ہو۔''[۴۴]

جملہ معترضہ

قبل اس کے کہ 'ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے باہمی گٹھ جوڑ' کے متعلق مزید اقتباساتِ پرویز کو پیش کیا جائے، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ جس 'مذہبی پیشوائیت' نے عقیدۂ جبر کی آڑ میں بنواُمیہ کی پشت پناہی کی تھی، وہ اُن معتزلہ کے اسلاف اور ان خوارج کے اخلاف تھے جو قرآن کے سوا کسی چیز کو حجت نہیں مانتے تھے۔ بالفاظِ دیگر وہ موجودہ دور کے منکرین حدیث ہی کے فکری آباء و اجداد تھے۔ آج منکرین حدیث، لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اپنے ہی فکری باپ دادوں کی کرتوتوں کو علماے امت کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور پھر اُنہیں بدنام کرتے ہیں۔

اب رہے علماے امت، تو اُنہوں نے نہ صرف کہ اقتدارِ باطل کی حمایت نہیں کی بلکہ طواغیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہتے رہے۔ چنانچہ بنواُمیہ کی حکومت نے جب مسئلہ جبر کو اپنی ڈھال بنایا تو ابوموسیٰ اشعری نے سب سے پہلے اس کی تردید کی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولانا افتخار احمد بلخی کا مندرجہ ذیل اقتباس نذرِ قارئین کر دیا جائے:

''اپنے ظلم و جور، اپنی سخت گیری اور اپنے تشدد کو دینی جواز دینے کے لئے بنواُمیہ نے مسئلہ جبر

[۴۴] طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۳

www.KitaboSunnat.com

کا اختراع کیا۔ یہ اختراع گویا ان کا 'ایڈمنٹی ایکٹ' تھا۔ ان کے آمرانہ قہر و مظالم کے لئے ایک براءت تھی یعنی یہ کہ انسان مجبورِ محض ہے۔ جو کچھ کرتا ہے، خدا کرتا ہے، انسان تو محض ایک کٹھ پتلی ہے جس کا تار خدائی ہاتھ میں ہے، جس کے ہلانے سے وہ حرکت کرتا ہے۔ پس انسان اپنے اعمال کا جواب دہ و ذمہ دار نہیں۔ اس کی ذمہ داری، خدا پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ سفاکیاں جو کی جارہی ہیں خدا کی مشیت ہی ایسی ہے کہ وہ کی جائیں۔ پس صاحبانِ قوت، اپنی ان ستم شعاریوں اور ان ایذاؤں سے بریٔ الذمہ ہیں جو وہ کیا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک گمراہ کن اختراع تھی، اور جب ایسا تھا تو اہل حق کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس فاسد خیال کا فوری ابطال کریں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس کی تغلیط کی۔''[۴۴]

اور یہ بھی جان رکھئے کہ یہ اختراع کسی ملا کی نہیں تھی بلکہ اس وقت کے 'مرکزِ ملت' کی تھی اور 'مرکزیتِ اُمتِ مسلمہ' اس وقت تک قائم تھی۔ خلافت کی مرکزیت، تیسری صدی کے آخر میں جا کر ٹوٹی ہے۔ خود طلوع اسلام یہ لکھتا ہے:

''بنی عباس کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ (عجمی وزرا و اُمرا) خلافت کو ہمارے ہاتھوں سے نکال کر، دوسروں کو نہ دے دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایرانیوں کی طاقت کے بالمقابل ترکوں کی بھی ایک فوج مرتب کی تاکہ توازن قائم رکھیں مگر اس ترکی فوج نے خود خلفا پر تغلب حاصل کرلیا۔ جس کو چاہتے تھے خلیفہ بناتے تھے، جس کو چاہتے تھے معزول کردیتے تھے۔ خلفا کی اس بے بسی کے زمانہ میں نئی نئی اسلامی سلطنتیں ظہور پذیر ہونے لگیں جن کے غلبہ سے وہ بالکل بے دست و پا ہونے لگے۔ دیالمہ اور سلاجقہ کے عہد میں جو صدیوں رہا، ان خلفا کا صرف مذہبی اثر رہ گیا تھا اور حکومت سلاطین کے ہاتھوں میں تھی یہاں تک کہ ۲۹۵ ہجری میں افریقہ میں فاطمیہ نے اور اس کے بعد اندلس میں عبدالرحمٰن ناصر نے اپنی اپنی خلافتوں کا اعلان کردیا جس سے دنیائے اسلام میں بیک وقت تین خلافتیں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے کی حریف تھیں اور وہ مرکزیت جس کو رسول اللہ ﷺ نے نوع انسانی کی صلاح و فلاح کے لئے نصب فرمایا تھا، ان قریشی خانوادوں کی باہمی رقابت اور دنیاوی منافست سے بازیچہ طفلاں بن گئی۔''[۴۵]

آمدم برسرِ مطلب

بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا جس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ ① عقیدۂ جبر کو اپنے مظالم کی

---

[۴۴] فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر، ج۱، صفحہ ۲۰ تا ۲۱ [۴۵] طلوع اسلام، اپریل ۱۹۴۹ء، صفحہ ۵۲

www.KitaboSunnat.com

پردہ پوشی کا ذریعہ بنانا کسی 'مُلّا' کا کام نہیں تھا بلکہ حکمرانوں کا کام تھا۔ ④ اس عقیدہ کی پشت پناہی کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے قارورے کے ساتھ موجودہ دور کے منکرین حدیث کا قارورہ ملتا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اب آیئے اصل موضوع کی طرف۔ بات ہورہی تھی 'مفکر قرآن' کے اس خود ساختہ افسانے کی، جسے وہ 'اربابِ اقتدار اور مذہبی پیشوائیت کی باہمی گٹھ جوڑ' کا عنوان دیا کرتے تھے۔ ادیانِ باطلہ سے تھیاکریسی کا تصور لے کر، اسے مسلمان علما پر چسپاں کرتے ہوئے، وہ یوں 'مطابق قرآن' تاریخ مرتب کیا کرتے تھے:

''حکومت کی بنیاد تو اس مقصد (یعنی تحفظِ حقوقِ انسانی) کے تحت رکھی گئی تھی، لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ تلخ حقیقت سامنے آ گئی کہ حکمران طبقہ کے ہاتھوں لوگوں کا کوئی حق بھی محفوظ نہیں رہا۔ اسی طبقہ نے تقسیم یوں کی کہ حقوق سب کے سب اربابِ حکومت کے ہیں اور ذمہ داریاں تمام کی تمام رعایا کی۔ لوگ اس تقسیم کو گوارا نہ کرتے، لیکن مذہبی پیشوائیت آگے بڑھی اور یہ کہہ کر عوام کو اس تقسیم کے سامنے جھکا دیا کہ راجہ ایشور کا اوتار ہوتا ہے۔ بادشاہ، خدائی حقوق (Divine Rights) کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے فرمانروائی اس کا حق اور اطاعت گزاری تمہارا فریضہ ہے۔ وہ جو کچھ تمہیں دے، اس کی عنایت اور احسان ہے۔ تم اس سے بطورِ حق کچھ مانگ نہیں سکتے۔ تم اس کے حضور جھکو، اسے سجدے کرو، اس کی خیریت کی دعائیں مانگو، اس کے ہر حکم کی اطاعت کرو اور اس اطاعت کو اپنے لئے سرمایۂ ہزار سعادت سمجھو۔ تم اور جو کچھ تمہارا ہے، وہ اس سب کا مالک ہے۔ اسے ان تمام چیزوں کا کلی اختیار حاصل ہے۔ وہ تمہارا اَن داتا (رازق) اور پالنہار (پروردگار) ہے۔''[39]

''حقیقت یہ ہے کہ باطل کا نظام تنہا مفاد پرستوں کی قوت سے قائم نہیں رہ سکتا، جب تک اسے مذہبی پیشوائیت کا 'روحانی سہارا' میسر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی اقتدار اور مذہبی پیشوائیت کا ہمیشہ سے گٹھ جوڑ چلا آرہا ہے۔ راجہ، برہمن کی رکھشا (حفاظت) کا پرن لیتا (عہد کرتا) ہے، اور برہمن، راجہ کو ایشور کا اوتار بنا کر عوام سے اس کی پرستش کراتا ہے۔ بادشاہ محافظِ مذہب (Defender of the Faith) بنتا ہے اور پادری اسے اختیاراتِ خداوندی (Divine Rights) کی سند عطا کرتا ہے اور سلطان، علما کے وظائف مقرر کرتا ہے اور علما

---

③ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۸

www.KitaboSunnat.com

اسے ظل اللہ علی الأرض (زمین پر خدا کا سایہ) قرار دے کر خطبوں میں اس کا نام سلام وصلوٰۃ کے ساتھ لیتے ہیں۔''[۴۷]

'مفکر قرآن' نے 'اربابِ اقتدار اور مذہبی پیشوائیت کے باہمی گٹھ جوڑ' کے اس افسانے کو اس کثرت سے دہرایا ہے کہ اسے شمار کرنا مشکل ہے، کیا آپ کو علم ہے کہ اسے بہ تکرار بسیار کیوں جگہ جگہ بار بار دہرایا ہے؟ اگر نہیں پتا تو سن لیجئے؛ یہ صرف اسی لئے کہ

نازیوں کے گوئبلز کا مقولہ تھا کہ—''جھوٹ کو اگر سو دفعہ دہرایا جائے تو وہ سچ بن جاتا ہے۔'' — دنیا اس کے اس مقولے پر ہنستی رہی، لیکن دور رس نگاہوں نے اسے قیمتی متاع سمجھ کر احتیاط سے رکھ لیا تاکہ بوقتِ ضرورت اس سے کام لیا جاسکے۔''[۴۸]

اب ظاہر ہے کہ منکرین حدیث کے 'مفکرِ قرآن' سے بڑھ کر دور رس نگاہ کس کی ہوسکتی تھی، چنانچہ اس 'قرآنی گوئبلز' نے نازیوں کے گوئبلز کے اس مقولے کو 'قیمتی متاع' سمجھ کر احتیاط سے رکھ لیا اور نہ صرف اس (زیر بحث) افسانے کے سلسلہ میں بلکہ بعض دیگر افسانوں کی تسویل واختراع میں بھی اس سے بھرپور کام لیا ہے۔

نہ دلیل، نہ ثبوت

ہندومت، عیسائیت اور یہودیت سے 'مذہبی پیشوائیت' کا تصور لے کر اسے اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں ایک 'واقعی حقیقت' کے طور پر لاگھسیڑنا ہمارے اس 'قرآنی گوئبلز' کے متعدد اباطیل میں سے ایک 'اچھوتا' اکذوبہ ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ میں سے کسی ایک حکمران کا بھی حوالہ نہیں دیا جس کے اور کسی 'ملا' کے درمیان ایسا کوئی 'شریفانہ معاہدہ' ہوا ہو۔ کس عہد میں، کس سلطان کے ساتھ، کس عالم کا ایسا سمجھوتہ ہوا؟ کس کی ملوکیت کے ساتھ، کس 'مذہبی پیشوا' کا گٹھ جوڑ ہوا؟ کس عہد میں کس بادشاہ کے ساتھ، کس مسلمان 'برہمن' کا ساجھا رہا؟ کوئی متعین اور ٹھوس حوالہ؟ کوئی مضبوط دلیل؟ کوئی قوی برہان؟ کوئی پُرزور حجت؟ حرام ہے جو 'قرآنی گوئبلز' نے کسی مقام پر کوئی ثبوت پیش کیا ہو۔ خارج از اسلام کتبِ تاریخ اور غیر از اسلام مذاہب میں سے (Priesthood) کا تصور اَخذ کر کے اسے اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں تسویل نفس اور لفاظی کے بل بوتے پر داخل کرنا شاید اس 'قرآنی گوئبلز' کے جملہ اکاذیب میں سے سب سے بڑا

[۴۷] طلوع اسلام، جون ۱۹۶۶ء، صفحہ ۱۰ [۴۸] طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۶۹

www.KitaboSunnat.com

جھوٹ ہے۔

البتہ صرف اتنی بات قابل تسلیم ہے کہ صدیوں پر محیط مسلم معاشرے میں ہر دور میں، ہر جگہ اور ہر طبقے میں اچھے اور بُرے لوگ موجود رہے ہیں اور اُنہوں نے سرکار دربار سے تعلق پیدا کر کے کچھ مالی مفاد بھی حاصل کیا ہو، لیکن یہ بات صرف 'مُلّا' ہی کے طبقے کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ ہر طبقے کے لئے عام ہے۔ پوری تاریخ میں سے کسی ایک بھی ایسے پیشوا..... (کسی ایرے غیرے کا نہیں، بلکہ کسی 'پیشوا' کا نام، کیونکہ بات مذہبی پیشوائیت کی ہو رہی ہے، اُمت ِمسلمہ کے عام افراد کی نہیں) ..... کا نام پیش نہیں کیا جاسکتا ہے، جسے افرادِ اُمت پر قائدانہ اثر و رسوخ، پیشوایانہ وجاہت اور راہنمایانہ مرتبہ و مقام حاصل ہو اور پھر اس نے حکومتِ وقت کی کاسہ لیسی بھی کی ہو۔ محض لفاظی اور زورِ قلم کے بل بوتے پر اگر ایک جھوٹ کو بار بار دہرایا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ لوگوں پر یہ اثر کر جائے، لیکن اس سے حقیقت نفس الامری میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ جو جھوٹ ہے، وہ بہرحال جھوٹ ہی رہے گا خواہ کوئی نازی گوئبلز اسے سو بار دہرائے یا 'قرآنی گوئبلز'!

علماے اُمت کا شاندار کردار

آیئے! اب ہم اس 'قرآنی گوئبلز' کے افسانۂ مذکورہ کا خود اُسی کے لٹریچر سے کذبِ خالص ہونا واضح کردیں تاکہ یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح اُجاگر ہوجائے کہ 'مذہبی پیشوائیت' کے نام سے جس گھناؤنے کردار سے علماے اُمت کو متہم کیا گیا ہے، وہ صرف 'مفکر قرآن' کے 'ذہن رسا' ہی کا کرشمہ ہے۔ جو صرف ان ہی کے حلقہ دامِ خیال میں پایا جاتا ہے، ورنہ واقعات کی دنیا میں اس کا وجود معدوم محض ہے، بلکہ اس کے برعکس ہماری تاریخ کے پیشوایانِ دین کا کردار قابل صد فخر و مباہات رہا ہے۔ وہ اربابِ اقتدار کی دہلیز پر سجدہ ریز ہونے کی بجائے ان کے زیرعتاب رہ کر خدمتِ اسلام کرتے رہے ہیں۔ اگر ہم اس کا ثبوت کتب تاریخ سے پیش کریں تو ہمیں یقین ہے کہ 'مفکرِ قرآن' کے اندھے مقلدین یہ کہہ کر اس کا انکار کردیں گے کہ

''دین میں سند، نہ تاریخ کے مشمولات ہیں اور نہ مسلمانوں کے متواتر و متوارث عقائد

www.KitaboSunnat.com

ومسالک.....سند ہے خدا کی کتاب۔''[۳۹]

اور خدا کی کتاب سے مراد، منکرین حدیث کے نزدیک وہ تعبیرات وتشریحات ہیں جنہیں پرویز صاحب نے اپنے لٹریچر میں قرآن کے گلے مڑھ رکھا ہے۔ اس لئے ہم مجبور ہیں کہ پرویز صاحب ہی کے لٹریچر سے علماے اُمت کا قابل صد فخر کردار واضح کردیا جائے، چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

پہلا واقعہ

ملک صالح نجم الدین ایوب سلطانِ مصر (متوفی ۶۴۷ ہجری) نے چرکسی غلام کثرت سے خریدے تھے، تاکہ ان کا ایک لشکر تیار کرکے صلیبیوں کے مقابلہ میں کام لے۔ جزیرۂ روضہ کے قریب رہنے کے لئے ان کو زمین عطا کی تھی۔ اُنہوں نے عظیم الشان محلات اور قلعے تعمیر کئے تھے۔ یہ لوگ چونکہ سخت جانباز اور بہادر تھے اور ان سے بڑے بڑے کارنامے ظہور میں آئے، اس لئے سلطانِ مصر نے اپنے وزرا، اُمرا اور درباری اُنہیں میں سے منتخب کئے۔ اسی زمانہ میں علامہ عزالدین بن عبدالسلام ملک شام سے مصر آئے۔ ملک صالح نے ان کی تکریم کی اور ان کو قضا کا عہدہ دیا۔ ملک صالح کے بعد، ایک مقدمہ کے دوران میں قاضی موصوف کے نزدیک یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ یہ ممالیک، سلطان کے زرخرید ہیں اور آزاد نہیں کئے گئے ہیں، اس لئے اعلان کرایا کہ اُن کے جملہ تصرفاتِ خودمختارانہ از قسم بیع وشراء، نکاح وطلاق وغیرہ بوجہ عدمِ حریت ناجائز ہیں اور حکم بھیجا کہ وہ سب کے سب حاضر آئیں، میں ان کو فروخت کروں گا، کیونکہ وہ اسلامی بیت المال کی ملکیت ہیں۔

ممالیک نے یہ سنا تو قیامت برپا ہوگئی۔ اس لئے کہ امارت، سپہ سالاری وغیرہ سلطنت کے تمام بڑے بڑے مناصب پر وہی لوگ تھے۔ قاضی صاحب کو ان کے احباب سمجھانے اور اسکے انجام سے ڈرانے لگے، مگر انہوں نے مطلق توجہ نہ کی اور شرعی حکم کی تنفیذ پر اَڑے رہے۔

نائب السلطنت نے غضبناک ہوکر کہا کہ ہم روے زمین کے ملوک ہیں۔ قاضی کی کیا مجال کہ وہ ہمارے سامنے دم مار سکے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن مار

[۳۹] نظام ربوبیت، صفحہ ۱۹۲

www.KitaboSunnat.com

دوں گا، یہ کہہ کر اپنے اعوان و انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لئے ہوئے چلا۔ سب کے سب غصے میں بھرے ہوئے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ جب ان کے گھر کے پاس پہنچے تو شورش سن کر ان کا لڑکا باہر نکل آیا۔ کیفیت دیکھ کر سہما ہوا اندر بھاگا اور باپ کو مطلع کیا۔ نہایت بے پرواہی سے بولے: ''تیرے باپ کا یہ رتبہ کہاں کہ راہِ حق میں اس کا خون بہایا جائے۔'' اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

نائب السلطنت کی نگاہ جب ان کے اوپر پڑی تو جلالِ حق سے کانپنے لگا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی اور رو کر بولا کہ یا مولانا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: تم لوگوں کو فروخت کروں گا۔ بولا کہ قیمت کون لے گا؟ جواب دیا کہ میں اور اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کروں گا۔ چنانچہ یہی کیا اور سر بازاران کو فروخت کرا دیا۔

قاضی عزالدین، اربابِ حال میں سے تھے اور ان کا لقب سلطان العلماء تھا۔[50]

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ بھی قاضی عزالدین ہی کا ہے۔ 'قرآنی گوئبلز' کی اُمت کو چاہئے کہ اس واقعہ کو نہایت غور سے پڑھ کر ہمیں بتائیں کہ ہمارے اسلاف، سلاطین پر درود وسلام بھیجتے تھے یا ان کی مخالفت کیا کرتے تھے؟ وہ خود ان اربابِ اقتدار کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے یا اُنہیں حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا کرتے تھے، وہ دنیا پرست تھے یا طلب گارِ آخرت؟

''قاضی عزالدین پہلے دمشق میں قضا کے عہدہ پر تھے۔ وہاں کے امیر اسماعیل نے جب صلیبیوں کو صیدا اور قلعہ شقیف دینے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملایا، اُس وقت انہوں نے اعلان کیا کہ خطبوں میں سے اسماعیل کا نام نکال دیا جائے۔ وہ یہ سن کر غضبناک ہوا۔ اسلئے یہ دمشق چھوڑ کر مصر کی طرف چلے۔ چونکہ نہایت محترم تھے، اس وجہ سے اُمرا اور اعیانِ شہر نے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ ہم اسماعیل کو راضی کرلیں گے، آپ ہمارے ساتھ چل کر صرف اس کی دست بوسی کر لیجئے۔ فرمایا کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ تمہارا امیر میری دست بوسی کرے چہ جائیکہ میں خود اس کا ہاتھ چوموں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو پناہ میں دے رکھا ہے، اس آفت سے جس میں تم لوگ مبتلا ہو، جاؤ تم دوسرے عالم میں ہو اور میں دوسرے عالم میں۔''[51]

---

[50] طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۵۶، ۶۶ [51] طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۶۶

www.KitaboSunnat.com

تیسرا واقعہ

تیسرا واقعہ بھی، پھر اسی قاضی عزالدین کا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اسلاف نہ جاہ پسند تھے اور نہ طالبِ مال، وہ حق پرست وخود دار تھے اور اپنی حق پرستی وخود داری کے سامنے اُمراء واعیانِ حکومت کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے:

''جب یہ مصر میں قاضی ہوئے تو اس زمانہ میں سلطانی حاجب امیر فخر الدین نے، جس کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ تھی، ایک مسجد کے دروازہ پر بالا خانہ بنایا تھا جس پر نوبت بجائی جاتی تھی۔ قاضی موصوف نے جب اس کو دیکھا تو فوراً توڑنے کا حکم دیا اور امیر فخر الدین کے نا قابل شہادت ہونے کا اعلان کر دیا اور یہ خیال کر کے کہ اس کی مخالفت میں، میں اپنے منصبی فرائض ادا نہ کرسکوں گا، استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا اور عدالت سے چلے آئے۔ ملک صالح کو جب علم ہوا تو اس نے خود جا کر اس بالا خانہ کو گرا دیا اور ان کو راضی کر کے دوبارہ مسندِ عدالت پر لایا۔ فخر الدین اور اس کے رفقا سمجھتے تھے کہ قاضی کے اعلان کا ہمارے اوپر کیا اثر ہوسکتا ہے؟ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دوران ملک صالح سلطان مصر نے خلیفہ بغداد مستعصم کے پاس کسی امر خاص کے متعلق سفارت بھیجی۔ سفیر نے وہاں پہنچ کر جب خلیفہ کو پیغام سنایا تو خلیفہ نے دریافت کیا کہ اس کو تم سے سلطان نے خود کہا تھا یا کسی اور نے؟ سفیر نے جواب دیا کہ امیر فخر الدین نے۔ خلیفہ نے کہا کہ عزالدین نے اس کو ساقط الشہادۃ قرار دیا ہے، اس لئے اس کی روایت کو ہم قبول نہیں کرسکتے۔ مجبوراً سفیر نے واپس آ کر سلطان کی زبان سے پیغام لیا اور بغداد جا کر خلیفہ سے جواب لایا۔''[۵۲]

چوتھا واقعہ

چوتھا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تزکیۂ شہود کے معاملہ میں مسلم عدالتوں کا معیار کس قدر بلند تھا اور حضرات قضاۃ کرام، اس بلند معیار کو برقرار رکھنے کے لئے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

''اس طرح کا واقعہ قاضی شرف الدین بن عین الدولہ کا ہے جو مصر میں قاضی تھے۔ ان کی عدالت میں ملک کامل سلطانِ مصر کسی مقدمہ میں شہادت میں طلب ہوا، وہ چونکہ روزانہ ایک مغنیہ کا گانا سنا کرتا تھا، اس وجہ سے قاضی موصوف نے اس کی شہادت لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے قاضی کی شان میں سخت کلمہ استعمال کیا۔ قاضی نے کہا کہ یہ عدالت کی توہین ہے اور اسی وقت اپنی

---

[۵۲] طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۶۷

www.KitaboSunnat.com

برطرفی کا اعلان کرکے مسند سے اُٹھ کر چلے آئے، سلطان نے مجبوراً جا کر معافی چاہی اور ان کو راضی کیا کیونکہ اس کو اپنی بدنامی اور نامقبولیت کا خطرہ ہوا۔''(۵۳)

جملہ معترضہ : قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں مزید واقعات پیش کئے جائیں، بطورِ جملہ معترضہ ہم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خلافت ِراشدہ کے بعد اگرچہ اسلامی معاشرہ مسلسل انحطاط وزوال کا شکار ہو رہا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی بعض پہلو انتہائی تابناک رہے ہیں۔ اسی عدالتی شعبہ کو لیجئے اور قضاة کرام کی حق گوئی اور ان کی بے لاگ خوے عدل کو ملاحظہ فرمائیے اور تزکیۂ شہود کے معیار کی بلندی پر نظر ڈالئے، تو علماے امت کا کردار قابل صد تبریک وتحسین اور لائق صد فخر وابتہاج دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف ہمارے 'ترقی پسند'، 'روشن خیال' اور 'قرآنی معارف' بیان کرنے والے 'مفکر قرآن' کے کردار کو دیکھئے، جو قطعاً اس قابل نہیں ہے کہ کسی صحیح اسلامی عدالت میں وہ مقبول الشہادة قرار پائیں، جیسا کہ ان کے حلقہ کی ایک خاتون مقالہ نگار ان کے متعلق یہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ ایک فلمی مغنیہ روشن آرا بیگم کے گانے سننے کے لئے خصوصی کاوش اور خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔

Pervez sahib made special efforts to listen to Roshan Ara Begum, of whom He had very high opion.(۵۴)

یہاں یہ امر بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ گانے کے متعلق اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا کیا رویہ تھا (اور ہے) اور یہ رویہ بھی، کسی اور کتاب سے پیش کرنے کی بجائے، طلوعِ اسلام ہی کے اوراق سے پیش کیا جارہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ:

''جن محفلوں میں باجہ اور راگ ہوتا تھا، ان میں کبھی نہیں جاتے تھے۔''(۵۵)

سیرت النبی ﷺ کا یہ واقعہ طلوعِ اسلام، قیام پاکستان سے پہلے پیش کیا کرتا تھا، لیکن پھر جب پاکستان بنا اور اس کے اُفق پر 'طلوعِ اسلام' ہوا، تو پھر موسیقی، راگ، تال اور سُر سب حلال اور جائز قرار پاگئے اور قرآنی لفظ یُحْبَرون کا پہاڑ کھود کر 'مفکر قرآن' نے حلت کا یہ چوہا نکال ڈالا اور یوں ہمارے 'قرآنی گوئبلز' ارتکابِ حرام سے بچ گئے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی

سنا ہے حلتِ بادہ کا ہوگیا فتویٰ خدا نے فضل کیا، بچ گئے حرام سے ہم

اب حلتِ گیت سنگیت اور حلتِ موسیقی کے اس 'قرآنی فتوے' کی رو سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ایسی محفلوں سے احتراز واجتناب بھی 'خلافِ قرآن' قرار پا گیا اور 'مفکر قرآن' کا فلمی مغنیہ روشن آرا بیگم کے گانے سننا 'مطابق قرآن' ہوگیا۔ (جاری ہے)

(۵۳) طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۶۷ (۵۴) ایضاً، اپریل مئی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۱۶ (۵۵) ایضاً، مئی ۱۹۴۱ء، صفحہ ۲۲

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور 'غامدیت'.....ایک تقابل

ٹی وی کے دانشور جناب جاوید احمد غامدی صاحب (بی اے آنرز، فلسفہ) کے نظریات دین اسلام کے مسلمہ، متفقہ اور اجماعی عقائد و اعمال سے کس قدر مختلف ہیں اور اُن کی راہ اُمت مسلمہ اور علماے اسلام سے کتنی الگ اور جداگانہ ہے، اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے ذیل میں اُن کی تحریروں پر مبنی ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جس کے مطالعے سے آپ خود یہ فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ علماے اسلام اور غامدی صاحب میں سے کون حق پر ہوسکتا ہے؟

جائزہ میں سب سے پہلے قرآنِ کریم، پھر سنتِ نبویؐ اور مصادرِ دین سے متعلقہ دیگر اُمور وغیرہ کی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے:

غامدی صاحب کے عقائد ونظریات	متفقہ اسلامی عقائد واعمال
① قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے۔ باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔	① قرآن مجید کی سات یا دس (سبعہ یا عشرہ) قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں۔

---

① (الف) ''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب [مراکش، الجزائر، لیبیا، تیونس، سوڈان وغیرہ] کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قرات نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔'' (میزان: ص۲۵، ۲۶، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء لاہور)

(ب) ''یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے۔ اس کے علاوہ سب قراءتیں فتنۂ عجم کے باقیات ہیں۔'' (میزان: ص۳۲، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

② قرآن کا ایک نام 'میزان' بھی ہے۔	② 'میزان' قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام نہیں ہے۔
③ قرآن کی متشابہ آیات کا بھی ایک واضح اور قطعی مفہوم سمجھا جاسکتا ہے۔	③ قرآن کی متشابہ آیات کا واضح اور قطعی تفصیلی مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔
④ سورۂ نصر مکی ہے۔	④ سورۂ نصر مدنی ہے۔
⑤ قرآن میں 'اصحاب الاخدود' سے مراد دورِ نبویؐ کے قریش کے فراعنہ ہیں۔	⑤ اصحاب الاخدود کا واقعہ بعثتِ نبویؐ سے بہت پہلے زمانے کا ہے۔

② (الف) ''قرآن میزان ہے۔'' (اُصول ومبادی:۲۲،۲۳،طبع دوم،فروری ۲۰۰۵ء)

(ب) ''﴿اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾ (الشوریٰ۴۲:۱۷) ''اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اُتاری یعنی میزان نازل کی ہے۔'' اس آیت میں والمیزان سے پہلے 'و' تفسیر کیلئے ہے۔اسلئے المیزان درحقیقت یہاں 'الکتاب' ہی کا بیان ہے۔''

(میزان:ص۲۲،طبع دوم،اپریل ۲۰۰۲)

③ ''یہ بات ہی صحیح نہیں ہے کہ محکم اور متشابہ کو ہم پورے یقین کے ساتھ ایک دوسرے سے ممیّز نہیں کرسکتے یا متشابہات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ متشابہات کا مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔'' (میزان:ص۳۴،۳۵،طبع دوم،اپریل ۲۰۰۲ء)

④ ''سورۂ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے اس سورۃ [النصر] کے مقام سے واضح ہے کہ سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی، اُمّ القریٰ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ ہجرت وبراءت میں آپ کے لئے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔''

(البیان:ص۲۵۲،مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۸ء)

⑤ ''یہ ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ، النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ (البروج:۴،۵) قریش کے اُن فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لئے ظلم وستم کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔اُنہیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اس گھاٹی میں پھینک دیئے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔''

(البیان:ص۱۵۷،طبع ستمبر ۱۹۹۸ء)

⑥ سورۂ لہب میں ابولہب سے مراد قریش کے عام سردار ہیں۔	⑥ ابولہب سے نبی کریم ﷺ کا کافر چچا مراد ہے۔
⑦ اصحاب الفیل کو پرندوں نے ہلاک نہیں کیا تھا بلکہ وہ قریش کے پتھراؤ اور آندھی سے ہلاک ہوئے تھے۔ پرندے صرف ان کی لاشوں کو کھانے کے لئے آئے تھے۔	⑦ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل پر ایسے پرندے بھیجے جنہوں نے اُن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔
⑧ سنت قرآن سے مقدم ہے۔	⑧ قرآن سنت سے مقدم ہے۔
⑨ سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔	⑨ سنت میں نبی ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (خاموش تائیدیں) سب شامل ہیں اور وہ محمد ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔

⑥ ''﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ ''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا'' (تفسیر) ''بازو ٹوٹ گئے'' یعنی اُس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے اور اس کی سیاسی قوت ختم ہوگئی۔'' (البیان: ص ۲۶۰، مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۸ء)

⑦ ''اللہ تعالیٰ نے ساف و حاصب کے طوفان سے اُنہیں (اصحاب الفیل کو) اس طرح پامال کیا کہ کوئی اُن کی لاشیں اُٹھانے والا نہ رہا۔ وہ میدان میں پڑی تھیں اور گوشت خور پرندے اُنہیں نوچنے اور کھانے کے لئے، اُن پر جھپٹ رہے تھے... آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمہاری (قریش کی) مدافعت اگرچہ ایسی کمزور تھی کہ تم پہاڑوں میں چھپے ہوئے، اُنہیں کنکر پتھر مار رہے تھے، لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے، کر ڈالا، تو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف و حاصب کا طوفان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھائی کہ اُنہیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔'' (البیان: تفسیر سورۂ الفیل، ص ۲۴۰، ۲۴۱)

⑧ ''سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے۔ (میزان: ص ۵۲، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

⑨ (الف) ''سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں۔ علمی نوعیت کی کوئی چیز بھی سنت نہیں ہے، اس کا دائرہ کرنے کے کام ہیں۔''

⑩ سنت صرف ستائیس اعمال کا نام ہے۔	⑩ سنتیں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔
⑪ ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ان دونوں کا ثبوت اجماع اور عملی تواتر سے ہوتا ہے۔	⑪ ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں واضح فرق ہے۔ سنت کے ثبوت کے لئے تواتر، اجماع شرط نہیں۔

(میزان:ص۶۵،طبع دوم،اپریل۲۰۰۲ء)

(ب) ''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔'' (میزان:ص۱۰،طبع دوم،اپریل۲۰۰۲ء،لاہور)

⑩ اس [سنت] کے ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

① اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، ② ملاقات کے موقع پر 'السلام علیکم' اور اس کا جواب، ③ چھینک آنے پر 'الحمدللہ' اور اس کے جواب میں 'یرحمک اللہ'، ④ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت، ⑤ مونچھیں پست رکھنا، ⑥ زیرناف کے بال مونڈنا، ⑦ بغل کے بال صاف کرنا، ⑧ لڑکوں کا ختنہ کرنا، ⑨ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا، ⑩ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، ⑪ استنجا، ⑫ حیض و نفاس میں زن وشو کے تعلق سے اجتناب، ⑬ حیض و نفاس کے بعد غسل، ⑭ غسل جنابت، ⑮ میت کا غسل، ⑯ تجہیز و تکفین، ⑰ تدفین، ⑱ عیدالفطر، ⑲ عیدالاضحیٰ، ⑳ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ، ㉑ نکاح وطلاق اور اس کے متعلقات، ㉒ زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، ㉓ نماز اور اس کے متعلقات، ㉔ روزہ اور صدقہ فطر، ㉕ اعتکاف، ㉖ قربانی، ㉗ حج وعمرہ اور ان کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' (میزان،ص۱۰،طبع دوم،اپریل۲۰۰۲ء،لاہور)

⑪ ''سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔'' (میزان:ص۱۰،طبع دوم،اپریل۲۰۰۲ء)

⑫ حدیثِ رسولؐ سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔	⑫ حدیثِ رسولؐ سے بھی اسلامی عقائد اور اعمال ثابت ہوتے ہیں۔
⑬ حضور ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کوئی بھی اہتمام نہیں کیا۔	⑬ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کیلئے بہت اہتمام کیا تھا۔
⑭ ابن شہاب زہری کی کوئی روایت بھی قبول نہیں کی جاسکتی، وہ ناقابل اعتبار راوی ہیں۔	⑭ امام ابن شہاب زہریؒ روایت حدیث میں ثقہ اور معتبر راوی ہیں اور ان کی روایات قابل قبول ہیں۔
⑮ دین کے مصادر قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنتِ ابراہیمی اور قدیم صحائف بھی ہیں۔	⑮ دین و شریعت کے مصادر و مآخذ قرآن، سنت، اجماع اور اجتہاد ہیں۔

⑫ ''اس [حدیث] سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔''
(میزان، ص ۱۰، ۱۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، اُصول ومبادی: ص ۶۸)

⑬ ''نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحبِ علم اُنہیں ماننے سے انکار نہیں کرسکتا۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔''
(میزان: حصہ دوم، ص ۶۸، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

⑭ ''ان [امام ابن شہاب زہریؒ] کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔'' (میزان، ص ۳۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

⑮ ''قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:
① دین فطرت کے حقائق، ② سنتِ ابراہیمی، ③ نبیوں کے صحائف''
(میزان، طبع دوم، ص ۴۸، مطبوعہ اپریل ۲۰۰۲ء)

⑯ معروف اور منکر کا تعین انسانی فطرت کرتی ہے۔	⑯ معروف و منکر کا اصل تعین وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔
⑰ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔	⑰ جو شخص دین کے بنیادی اُمور یعنی ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اُسے کافر قرار دیا جاسکتا ہے۔
⑱ عورتیں بھی باجماعت نماز میں امام کی غلطی پر بلند آواز سے 'سبحان اللہ' کہہ سکتی ہیں۔	⑱ امام کی غلطی پر عورتوں کے لئے بلند آواز سے 'سبحان اللہ' کہنا جائز نہیں۔
⑲ زکوٰۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں ہے۔	⑲ زکوٰۃ کا نصاب منصوص اور مقرر شدہ ہے۔
⑳ ریاست کسی بھی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرسکتی ہے۔	⑳ اسلامی ریاست کسی چیز یا شخص کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کرسکتی۔

---

⑯ ''معروف ومنکر وہ باتیں (ہیں) جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جن سے فطرت ابا کرتی اور اُنہیں برا سمجھتی ہے۔ انسان ابتدا ہی سے معروف ومنکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے۔

(میزان: ص۴۹، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

⑰ ''کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے۔ یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔ (ماہنامہ اشراق: دسمبر ۲۰۰۰ء ص۵۴، ۵۵)

⑱ ''امام غلطی کرے اور اس پر خود متنبہ نہ ہو تو مقتدی اسے متنبہ کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ سبحان اللہ کہیں گے۔ عورتیں اپنی آواز بلند کرنا پسند نہ کریں تو نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر متنبہ کردیں۔'' (قانونِ عبادات: ص۸۴، اپریل ۲۰۰۵ء)

⑲، ⑳ ''ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی، اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے، ان کے لئے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کرسکتی ہے۔'' (قانونِ عبادات: ص۱۱۹، طبع اپریل ۲۰۰۵ء)

㉑ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔	㉑ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔
㉒ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس، فساد فی الارض) پر دی جاسکتی ہے۔	㉒ اسلامی شریعت میں موت کی سزا بہت سے جرائم پر دی جاسکتی ہے۔
㉓ دیت کا قانون وقتی اور عارضی تھا۔	㉓ دیت کا حکم اور قانون ہمیشہ کیلئے ہے۔
㉔ قتل خطا میں دیت کی مقدار تبدیل ہوسکتی ہے۔	㉔ قتل خطا میں دیت کی مقدار تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

㉑ ''بنی ہاشم کے فقراء و مساکین کی ضرورتیں بھی زکوٰۃ کے اموال سے اب بغیر کسی تردّد کے پوری کی جاسکتی ہیں۔'' (قانون عبادات، ص۱۱۹، طبع اپریل ۲۰۰۵ء)

㉒ (الف) ''ان دو جرائم [قتل نفس اور فساد فی الارض] کے سوا، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔''

(برہان: ص۱۴۳، طبع چہارم جون ۲۰۰۶ء)

(ب) ''اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔'' (میزان: ص۲۸۳، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

㉓ چنانچہ اس (قرآن) نے اس (دیت کے) معاملے میں 'معروف' کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ قرآن کے اس حکم کے مطابق ہر معاشرہ اپنے ہی معروف کا پابند ہے۔ ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چونکہ پہلے سے موجود نہیں ہے، اس وجہ سے ہمارے اربابِ حل وعقد کو اختیار ہے کہ چاہیں تو عرب کے اس دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس کی کوئی دوسری صورت تجویز کریں وہ جو صورت بھی اختیار کریں گے، معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے تو ہمارے لئے وہی 'معروف' قرار پائے گی۔

(برہان: ص۱۸، ۱۹، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء)

㉖ اب مرتد کی سزائے قتل باقی نہیں ہے۔	㉖ اسلام میں مرتد کے لئے قتل کی سزا ہمیشہ کے لئے ہے۔
㉗ زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کی سزا صرف سو کوڑے ہے۔	㉗ شادی شدہ زانی کی سزا از روئے سنت سنگساری ہے۔
㉘ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے کی بنیاد قرآنِ کریم میں ہے۔	㉘ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا صرف سنت سے ثابت ہے۔

㉓، ㉕ ''اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لئے تعین نہیں کیا، نہ عورت اور مرد، غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لئے لازم ٹھہرائی ہے۔'' (برہان: ص۱۸، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء)

㉖ ''لیکن فقہا کی یہ رائے (کہ ہر مرتد کی سزا قتل ہے) محل نظر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم (کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کر دو) تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا، بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لئے قرآن مجید میں اُمیین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔'' (برہان: ص۱۴۰، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء)

㉗ ''سورۂ نور میں زنا کے عام مرتکبین کے لئے ایک متعین سزا ہمیشہ کے لئے مقرر کر دی گئی۔ زانی مرد ہو یا عورت، اس کا جرم اگر ثابت ہو جائے تو اس کی پاداش میں اسے سو کوڑے مارے جائیں گے۔'' (میزان: ص۲۹۹-۳۰۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

㉘ ''قطع ید کی یہ سزا 'جزاءً بما کسبا نکالا من اللہ' ہے۔ لہٰذا مجرم کو دوسروں کے لئے عبرت بنا دینے میں عمل اور پاداشِ عمل کی مناسبت جس طرح یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اسی طرح یہ تقاضا بھی کرتی ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ ہی کاٹا جائے۔''

(میزان: ص۳۰۶، ۳۰۷، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

㉙ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔	㉙ شراب نوشی کی شرعی سزا ہے جو اجماع کی رو سے ۸۰ کوڑے مقرر ہے۔
㉚ عورت کی گواہی حدود کے جرائم میں بھی معتبر ہے۔	㉚ حدود کے جرائم میں عورت کی شہادت مرد کی طرح نہیں بلکہ قرائن میں شامل ہے۔
㉛ صرف عہد نبویؐ کے عرب مشرکین اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے وارث نہیں ہوسکتے۔	㉛ کسی زمانہ کا کوئی کافر کسی مسلمان کا کبھی وارث نہیں ہوسکتا۔

㉙ (الف) ''یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور ﷺ نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پٹوا دیا تو شارع کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پٹوایا اور آپ کے بعد آپ کے خلفا نے بھی ان کے لئے چالیس کوڑے اور اسی کوڑے کی یہ سزائیں اسی حیثیت سے مقرر کی ہیں۔ چنانچہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حد نہیں، بلکہ محض تعزیر ہے جسے مسلمانوں کا نظم اجتماعی، اگر چاہے تو برقرار رکھ سکتا اور چاہے تو اپنے حالات کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔'' (برہان: ص ۱۳۹، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء)

(ب) ''یہ (شراب نوشی پر ۸۰ کوڑوں کی سزا) شریعت ہرگز نہیں ہوسکتی۔''

(برہان: ص ۱۳۸، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء)

㉚ حدود کے جرائم ہوں یا ان کے علاوہ کسی جرم کی شہادت، ہمارے نزدیک یہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتا ہے اور کس کی گواہی قبول نہیں کرتا۔ اس میں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں ہے۔'' (برہان: ص ۲۷، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء)

㉛ ''نبی ﷺ نے اسی (قرابتِ نافعہ) کے پیش نظر جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا:

«لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم» (بخاری: رقم ۶۷۶۴)

''نہ مسلمان ان میں سے کسی کافر کے وارث ہوں گے اور نہ یہ کافر کسی مسلمان کے۔''

یعنی اتمامِ حجت کے بعد جب یہ منکرین حق خدا اور مسلمانوں کے کھلے دشمن بن کر سامنے آ گئے ہیں تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر قرابت کی منفعت بھی ان کے اور مسلمانوں کے

㉜ اگر میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں وارث ہوں تو اُن کو والدین یا بیوی شوہر کے حصوں سے بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا	㉜ میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہی ہوں تو ان کو کل ترکے کا دو تہائی حصہ دیا جائے گا۔
㉝ سور کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اور ان کا استعمال ممنوع نہیں۔	㉝ سور نجس العین ہے لہٰذا اس کی کھال اور اجزاے بدن کا استعمال اور تجارت جمہور کے نزدیک حرام ہے۔

درمیان ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ چنانچہ یہ اب آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔'' (میزان: ص ۱۷۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

㉜ (الف) ''اولاد میں دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہی ہوں تو اُنہیں بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا۔'' (میزان، حصہ اوّل، ص ۷۰، طبع مئی ۱۹۸۵ء)

(ب) ''وہ سب (والدین اور زوجین کے حصے) لازماً پہلے دیئے جائیں گے اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا، صرف وہی اولاد میں تقسیم ہوگا۔ لڑکے اگر تنہا ہوں تو اُنہیں بھی یہی ملے گا اور لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے لئے بھی یہی قاعدہ ہوگا۔ اسی طرح میت کی اولاد میں اگر تنہا لڑکیاں ہی ہوں تو اُنہیں بھی اس بچے ہوئے ترکے ہی کا دو تہائی یا آدھا دیا جائے گا، ان کے حصے پورے ترکے میں سے کسی حال میں ادا نہ ہوں گے۔''
(میزان: ص ۱۶۸، طبع اپریل ۲۰۰۲ء)

㉝ (الف) ''اُن علاقوں میں جہاں سور کا گوشت بطورِ خوراک استعمال نہیں کیا جاتا، وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اجزا کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ماہنامہ 'اشراق': اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص ۷۹)

(ب) ''یہ سب چیزیں (خون، مردار، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ) جس طرح کہ قرآن کی ان آیات سے واضح ہے، صرف خورد و نوش کے لئے حرام ہیں۔ رہے ان کے دوسرے استعمالات تو وہ بالکل جائز ہیں۔ (میزان، ص ۳۲۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

㉜ عورت کیلئے دوپٹہ پہننا شرعی حکم نہیں۔	㉜ عورت کیلئے دوپٹہ اور اوڑھنی پہننے کا حکم قرآن کی سورۃ النور:۳۱ سے ثابت ہے۔
㉟ کھانے کی صرف چار چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔	㉟ ان کے علاوہ کھانے کی بہت سی اور چیزیں بھی حرام ہیں جیسے کتے، درندوں، شکاری پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت وغیرہ
㊱ کئی انبیا قتل ہوئے ہیں مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔	㊱ از روئے قرآن بہت سے نبیوں اور رسولوں دونوں کو قتل کیا گیا۔

㉜ ''دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔''

(ماہنامہ اشراق: شمارہ مئی ۲۰۰۲ء، ص ۴۷)

㉟ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے (انسان کو) بتایا کہ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کئے گئے جانور بھی کھانے کے لئے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس معاملے میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ قرآن نے بعض جگہ ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ﴾ اور بعض جگہ 'اِنَّمَا' کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔'' (میزان: ص ۳۱۱، طبع اپریل ۲۰۰۲ء)

㊱ ''اللہ تعالیٰ ان (رسولوں) کو کسی حال میں ان کا تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا۔ نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارہا ان کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے... لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے معاملے میں اللہ کا قانون مختلف ہے۔''

(میزان: حصہ اوّل، ص ۲۱، مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

㊳ یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں۔	㊳ یاجوج ماجوج اور دجال قربِ قیامت کی دو الگ الگ نشانیاں ہیں۔ احادیث کی رُو سے دجال ایک یہودی شخص ہوگا جو دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔
㊴ جہاد وقتال کے بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔	㊴ جہاد وقتال ایک شرعی فریضہ ہے۔

㊷ (الف) ''حضرت مسیحؑ کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کرلیا تو فرشتوں نے اُن کی روح ہی قبض نہیں کی، اُن کا جسم بھی اُٹھا لے گئے کہ مبادا یہ سرپھری قوم اس کی توہین کرے۔'' (میزان: حصہ اوّل، ص۲۲، مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

(ب) مسیح علیہ السلام کو جسم وروح کے ساتھ قبض کر لینے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ! میں تجھے قبض کر لینے والا ہوں.....''

(میزان: حصہ اوّل، ص۲۳، ۲۴، مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

㊳ ''ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج ہی کے خروج کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج ماجوج کی اولاد یہ مغربی اقوام، عظیم فریب پر مبنی فکر و فلسفہ کی علمبردار ہیں اور اسی سبب سے نبی ﷺ نے اُنہیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا ہے۔ روایات میں دجال کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہوگی۔ یہ بھی درحقیقت مغربی اقوام کی انسان کے روحانی پہلو سے پہلوتہی اور صرف مادّی پہلو کی جانب جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بھی غالباً مغربی اقوام کے سیاسی عروج ہی کے لئے کنایہ ہے۔'' (ماہنامہ اشراق: جنوری ۱۹۹۶ء، ص۶۱)

㊵ کافروں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور اب مفتوح کافروں سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا۔	㊵ کفار کے خلاف جہاد کا حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور مفتوح کفار (ذمیوں) سے جزیہ (ٹیکس) لیا جاسکتا ہے۔

غامدی صاحب کے چند مزید اجتہادات

① عورت مردوں کی امامت کراسکتی ہے۔ (دیکھئے: ماہنامہ 'اشراق': مئی ۲۰۰۵، ص ۳۵ تا ۴۶)

② عورت نکاح خوان بن سکتی ہے۔ جناب جاوید احمد غامدی نے، اس سوال کے جواب میں کہ کیا کوئی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟ فرمایا:

''جی ہاں! بالکل پڑھا سکتی ہے.....الخ'' (www.ghamidi.org)

③ مرد اور عورتیں برابر کھڑے ہوکر باجماعت یا انفرادی دونوں طرح سے نماز ادا کرسکتے ہیں۔ غامدی صاحب کے ایک شاگرد سکالر سے سوال کیا گیا، کیا مرد اور عورت اکٹھے کھڑے ہوکر باجماعت نماز ادا کرسکتے ہیں؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا:

''مرد اور عورت کھڑے ہوکر باجماعت یا انفرادی، دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا.....الخ''

(www.urdu.understanding-islam.org)

④ اجنبی مردوں کے سامنے عورت بغیر چادر اوڑھے یا بغیر دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر لئے آجاسکتی ہے۔

⑤ رقص وسرود جائز ہے۔ 'اشراق' کے نائب مدیر سید منظور الحسن اپنے مضمون 'اسلام اور موسیقی' جو 'جاوید غامدی کے افادات' پر مبنی ہے، میں لکھتے ہیں:

''موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے، اس لئے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔''.....''ماہر فن مغنیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا گانا سنانے کی خواہش

㊴ ''اُنہیں (نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو) قتال کا جو حکم دیا گیا، اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمامِ حجت سے ہے۔'' (میزان: ص ۲۶۴، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

㊵ ''یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کرکے اُنہیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا ہے۔''

(میزان: ص ۲۷۰، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

ظاہر کی تو آپ نے سیدہ عائشہؓ کو اس کا گانا سنوایا، سیدہ عائشہ حضورؐ کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔'' (اشراق بابت مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۸ و ۱۹)

⑥ جاندار چیزوں کی تصویریں بنانا جائز ہے۔ ادارہ 'المورد' کے ریسرچ سکالر جناب محمد رفیع مفتی اپنی کتاب 'تصویر کا مسئلہ' میں لکھتے ہیں:

''.....لیکن فی نفسہٖ تصویر کے بارے میں کسی اعتراض کی کیونکر گنجائش ہوسکتی ہے، جب کہ خدا اور اس کے رسول نے اُنہیں جائز رکھا ہو؟'' ('تصویر کا مسئلہ'، ص ۳۰)

⑦ مردوں کے لئے داڑھی رکھنا دین کی رُو سے ضروری نہیں۔ جیسا کہ المورد کے ایک ریسرچ سکالر لکھتے ہیں:

''عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا، لہٰذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں۔''

(www.urdu.understanding-islam.org)

⑧ ہندو مشرک نہیں ہیں۔ چنانچہ غامدی صاحب کے ایک شاگرد ''کیا ہندو مشرک ہیں؟'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک مشرک وہ شخص ہے جس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہو۔ چونکہ اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہے، لہٰذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا ہے.....الخ''

(www.urdu.understanding-islam.org)

⑨ مسلمان لڑکی کی شادی غیر مسلم لڑکے سے جائز ہے۔ حلقہ غامدی کے ایک صاحب لکھتے ہیں:

''ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔''

(www.urdu.understanding-islam.org)

⑩ ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے، اس لئے جائز ہے۔ 'المورد' کے انگریزی مجلّہ رینی ساں کے شمارۂ اگست ۲۰۰۵ء میں اس موضوع پر ایک مکمل مضمون شائع کیا گیا ہے۔

⑪ اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملتا ہو تو سود پر قرضہ لے کر گھر بنانا جائز اور حلال ہے۔

⑫ قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔ (ماہنامہ اشراق: جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۶۰)

⑬ افغانستان اور عراق پر امریکہ حملے جائز اور درست ہیں۔
⑭ اسامہ بن لادن اور ملا عمر، دونوں انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں۔ ان کا موقف شرعی طور پر درست نہیں ہے۔
⑮ مسجدِ اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں، یہودیوں کا حق ہے۔ جیسا کہ یہ بحث 'محدث' میں تفصیل سے شائع ہو رہی ہے۔
⑯ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کا انکار وغیرہ وغیرہ (ماہنامہ اشراق: جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۶۰)

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان اسلامی لائبریری

المکتبة الرحمانية

اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

- لائبریری میں ہمہ نوعیت کے موضوعات پر پچیس ہزار علمی و دینی کتابیں موجود ہیں۔
- لائبریری کا نظام معروف بین الاقوامی معیار DDC سکیم کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔
- کارڈ کیٹلاگ سسٹم کی مدد سے مطلوبہ کتاب تک فوری رسائی ممکن ہے۔
- کتابوں تک رہنمائی ورسائی کیلئے علمی شخصیات اور فاضل انچارج کی خدمات حاصل ہیں۔
- جملہ اہم اُردو وعربی تفاسیر اور علومِ تفسیر سے متعلقہ تمام نمایاں کتب موجود ہیں۔
- حدیث، علومِ حدیث اور شروحاتِ احادیث پر مشتمل اکثر وبیشتر مراجع ومصادر میسر ہیں۔
- فقہی مذاہبِ خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات پر مستند ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے۔
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ دستیاب ہے۔
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ قدیم و جدید تحقیقات کے ساتھ لائبریری کی اہمیت کو دو چند کر دیتا ہے۔
- عرب سے تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہونیوالا اہم علمی سرمایہ بھی شامل ہوتا رہتا ہے۔
- لائبریری میں مسجد کا انتظام ہے اور فوٹو کاپی کروانے کی سہولت بھی دی جاتی ہے۔
- Ph.D وغیرہ محققین کے لئے علمی رہنمائی اور مشاورت

اوقات: صبح ۹ تا ۶ بجے (چھٹی بروز جمعہ) ◉ ائیر کنڈیشنڈ ہال اور مستقل نشستیں

بمقام: **ادارہ محدث** ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 5866476 (لائبریرین: محمد اصغر)

مباحثہ علمیہ حافظ محمد زبیر/محمد عمار ناصر

بیت المقدس کے شرعی حق دار مسلمان ہیں یا یہود؟

حلقہ اشراق سے خط وکتابت کا سلسلہ

المورد کے اسسٹنٹ فیلو جناب محمد عمار خان ناصر کی طرف سے ماہنامہ 'اشراق' جولائی واگست ۲۰۰۳ء میں 'مسجدِ اقصیٰ، یہود اور اُمتِ مسلمہ' کے عنوان سے ایک طویل مضمون شائع ہوا۔ چونکہ محترم عمار صاحب نے اپنے اس مضمون میں اُمتِ مسلمہ کے عام موقف کے بالکل برعکس ایک نئی رائے کا اظہار کیا تھا، اس لیے کئی علمی حلقوں کی طرف سے ان کو مختلف قسم کی علمی اور جذباتی تنقیدی آرا کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ عمار صاحب نے ماہنامہ 'اشراق' مئی و جولائی ۲۰۰۴ء کے شماروں میں ان تمام تنقیدی آرا کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ عمار صاحب کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

''مسجد اقصیٰ کی تولیت کا اخلاقی اور شرعی حق یہود کو حاصل ہے، اگرچہ تکوینی طور پر یہ مسجد سینکڑوں سال سے مسلمانوں کی تولیت میں ہے۔ یا بقولِ دیگر مسجد اقصیٰ کی تولیت کا شرعی حق تو یہود کا ہے جبکہ قانونی حق مسلمانوں کا ہے۔ محترم عمار صاحب کے بقول مسجد اقصیٰ یعنی ہیکل سلیمانی کو حضرت سلیمانؑ نے اپنے زمانے میں جنات سے تعمیر کروایا تھا۔ یہ یہودیوں کا قبلہ، مرکزی عبادت گاہ، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے ایک مرکز و مرجع تھا، اس لیے مسجد اقصیٰ ایک یہودی عبادت گاہ ہونے کی وجہ یہودیوں کا حق ہے۔ عمار صاحب کا یہ مضمون اکثر و بیشتر اُن علما کے استدلالات کی تردید پر مشتمل تھا جو کہ مسجد اقصیٰ کو یہود کا قبلہ، مرکزی عبادت گاہ، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے ایک مرکز و مرجع تو مانتے ہیں لیکن مسجد کے حق تولیت کو یہود کے حق میں منسوخ مانتے ہیں۔''

عمار صاحب کے اس مضمون کے جواب میں راقم الحروف نے ایک ناقدانہ مضمون لکھا جو ماہنامہ 'اشراق' کے اپریل ۲۰۰۷ء کے شمارے اور ماہنامہ 'الشریعہ' اور ماہنامہ 'میثاق' کے مارچ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۰۷ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ راقم الحروف کے اس مضمون کا خلاصہ یہ تھا:

''اپنے اس مضمون میں ہم نے مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کے حق تولیت کے حوالے سے دو نکات کا تذکرہ کیا تھا: ① مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا سابقہ قبلہ ہے ② یہ بیت اللہ کی طرح شروع ہی سے ملتِ اسلامیہ کی ایک عبادت گاہ کے طور پر چلی آ رہی ہے۔ یہ تو ہمارا مثبت استدلال تھا۔ دوسرا ہم نے اپنے اس مضمون میں یہ کہا تھا کہ عمار صاحب کے پاس قرآن وسنت سے کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس سے وہ یہ ثابت کرسکیں کہ مسجد اقصیٰ کو اللہ تعالیٰ نے یہود کا قبلہ، مرکزی عبادت گاہ، قربان گاہ یا دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لئے مرکز و مرجع مقرر کیا ہو۔ بلکہ ہم نے قرآن وسنت سے ایسے بہت سے دلائل اپنے اس مضمون میں اکٹھے کر دیے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ یہود ونصاریٰ کا مسجد اقصیٰ کو اپنا قبلہ قرار دینا ان کے دین میں بدعت اور نئی اختراع ہے۔ مسجد اقصیٰ کی تولیت پر یہود کے شرعی حق کی کل دلیل عمار صاحب کے نزدیک وہ اسرائیلیات ہیں جن کو وہ کتابِ مقدس کے بیانات کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مسجدِ اقصیٰ کا یہودیوں کا قبلہ، مرکزی عبادت گاہ، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کیلئے ایک مرکز ومرجع ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اسلئے یہود کے حق تولیت کے تنسیخ کی کوئی بحث ہی نہیں پیدا ہوتی جس کے حق یا مخالفت میں کوئی بحث کی جائے۔''

ہمارے اس مضمون کے جواب میں محترم عمار صاحب کا تعاقب ماہنامہ 'اشراق' کے اپریل ۲۰۰۷ء اور 'الشریعہ' کے مارچ ۲۰۰۷ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ عمار صاحب کے اس مضمون کا خلاصہ یہ تھا:

''عمار صاحب نے اپنے اس مضمون میں اپنے موقف کو دہرایا۔ علاوہ ازیں میرے مضمون پر تنقید کرتے ہوئے اُنہوں نے پانچ نکات پر بحث کی اور یہ پانچوں نکات ایسے تھے جو میرے مضمون کی ضمنی ابحاث تھیں۔ اور مضمون کی اصل بحث 'کہ مسجد اقصیٰ پر یہود کے حق تولیت کی عمار صاحب کے پاس قرآن وسنت سے کیا دلیل ہے؟ کو اُنہوں بالکل نظرانداز کر دیا اور اپنے اس مضمون میں بھی اُنہوں نے اپنے اس موقف کہ 'مسجد اقصیٰ یہودیوں کا قبلہ، مرکزی عبادت گاہ، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے ایک مرکز و مرجع ہے، کی تائید میں قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہیں دی۔ علاوہ ازیں میں نے اپنے مضمون میں 'مسجد اقصیٰ کا اللہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے یہود کے لئے قبلہ مقرر نہ کیے جانے اور بیت اللہ کا ہی یہود کا اصل قبلہ ہونے پر، جن قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے اثبات کیا تھا، ان آیات اور احادیث کا بھی اُنہوں نے اپنے اس مضمون میں کوئی جواب نہیں دیا۔''

عمار صاحب کے اس مضمون کی اشاعت پر میں نے ان کو ایک خط بذریعہ ای میل ۲۲/مارچ کو بھیجا لیکن اُنہوں نے اس خط کو ماہنامہ 'الشریعہ' کے اپریل کے شمارے میں شائع نہیں کیا بلکہ الشریعہ کے منظر عام پر آجانے کے بعد ۲/اپریل کو مجھے ایک خط بذریعہ ای میل بھیجا کہ جس میں اُنہوں نے الشریعہ میں میرے خط کو شائع نہ کرنے کی توجیہ پیش کی۔ اپنے اس خط میں عمار صاحب نے لکھا کہ اگر ''آپ چاہیں تو ہماری مراسلت ساتھ ہی ساتھ الشریعہ میں شائع ہوتی رہے گی۔'' عمار صاحب کا دو اپریل کے بعد جبکہ 'الشریعہ' کا تازہ شمارہ شائع ہو چکا تھا، یہ پیش کش کرنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

اُنہوں نے 'الشریعہ' کے اپریل کے شمارے میں میرے جوابی خط کو تو شائع نہ کیا لیکن مدیر محدث (حافظ حسن مدنی) کے ساتھ اس خط و کتابت کو شائع کیا جو 'محدث' کے ادارتی صفحات پر مشتمل مسجد اقصیٰ کے بارے میں ایک واقعاتی تجزیہ پر مبنی تھی جس کے پس منظر سے قارئین 'الشریعہ' آگاہ نہ تھے۔ حالانکہ مناسب تو یہ تھا کہ اگر عمار صاحب مسجد اقصیٰ کے حوالے سے شرعی موقف کی بحث کو آگے بڑھانا چاہتے تھے تو میرا خط شائع کرتے جسے نظر انداز کرتے ہوئے اُنہوں نے 'الشریعہ' ہی کے اپریل کے شمارے میں جہاد کے موضوع سے متعلق ایک مضمون کے تقریباً بارہ صفحات پر پھیلے ہوئے حواشی شائع کرنے کو ترجیح دی۔ اس طرزِ عمل کے مدنظر میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی خط و کتابت 'محدث' میں اشاعت کے لیے دوں۔

اس مختصر پس منظر کے بعد 'الشریعہ' کے شمارۂ مارچ اور 'اشراق' کے شمارۂ اپریل میں میرے مضمون کے جواب میں عمار خاں ناصر کے تبصرہ پر میرا جوابی مراسلہ ملاحظہ فرمائیے:

❶ محترم جناب محمد عمار خاں ناصر السلام علیکم!

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ سب سے پہلے تو میں آپ کا اس بات پر شکر گزار ہوں کہ آپ نے وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے 'مسجدِ اقصیٰ' کے حوالے سے میرے مضمون کو اپنے ماہنامہ میں نہ صرف جگہ دی بلکہ اس میں بعض ضمنی ابحاث کے حوالے سے کچھ قابل غور اور

www.KitaboSunnat.com

اصلاح طلب اُمور کی طرف توجہ بھی دلائی۔ آپ کی پیش کردہ تصریحات کی روشنی میں یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ بعض اُمور پر افہام وتفہیم کو آگے بڑھایا جائے۔ اس ضمن میں ہماری اوّلین گزارش یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کے حوالے سے اپنے اس موقف کے حق میں کہ یہ یہود کی مرکزی عبادت گاہ، قبلہ، مقامِ قربانی اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے مقدس مقام اور روحانی مرجع ومرکز ہے، اگر آپ قرآن وسنت سے دلائل پیش کریں تو یہ بحث نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہے، اس لیے کہ ہم نے بھی اپنے موقف کے دلائل قرآن وسنت ہی سے پیش کیے ہیں اور آئندہ بھی قرآن وسنت ہی سے پیش کریں گے۔ اِن شاء اللہ

اگر آپ کے پاس دلائل کے نام پر صرف اسرائیلیات ہی ہیں یا آپ کچھ ضمنی موضوعات پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس بحث کو اسی جگہ ختم کردیں گے۔ مکرر عرض ہے کہ مزید افہام وتفہیم کی غرض سے یہ خط لکھ رہا ہوں، اُمید ہے آپ اس بحث کو مثبت انداز میں آگے بڑھائیں گے تاکہ آپ کا نقطہ نظر اور اس کے دلائل اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ ذیل میں، میں اپنی رائے اور قرآن وسنت سے اس کے دلائل کو بیان کر رہا ہوں:

① میری رائے یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا سابقہ قبلہ ہے اور اس کی دلیل ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا...﴾ (البقرۃ:۱۴۳) ہے جبکہ اس بات کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو کسی بھی دور میں یہود کا قبلہ مقرر کیا ہو۔ آپ بیت المقدس کو یہود کا قبلہ تو کہتے ہیں لیکن اس کی کوئی دلیل آپ نے ابھی تک پیش نہیں کی جبکہ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کا حق مسلمانوں کو حاصل ہے، کیونکہ یہ ان کا سابقہ قبلہ اور خصوصی عبادت گاہ ہے، جبکہ یہود کا معاملہ ایسا نہیں ہے جب تک کہ کسی شرعی دلیل سے مسجدِ اقصیٰ ان کا قبلہ ثابت نہ ہو جائے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ میری رائے کے مطابق مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی اہم عبادت گاہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے زمانے سے ہی مسجدِ حرام کی طرح یہ بھی دین اسلام کی ایک عبادت گاہ کے طور پر معروف رہی ہے، جبکہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ

''یہ مسجد بنی اسرائیل کی عبادت گاہ، قربانی اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے مقدس مقام اور روحانی مرجع ومرکز ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

آپ کے اس موقف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) پہلی بات تو یہ کہ آپ کے اس موقف کی بھی قرآن وسنت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کسی دور میں بنی اسرائیل کے لیے قربانی اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے ایک مقدس مقام اور روحانی مرجع ومرکز رہی ہے، اگر اس موقف کی کوئی ایسی دلیل ہے تو آپ پیش کریں، اس پر غور ہوسکتا ہے۔ مزید برآں اس کی بھی وضاحت فرما دیں کہ آپ کے نزدیک 'دیگر عباداتی رسوم' سے کیا مراد ہے؟

(ب) جہاں تک آپ کے اس موقف کا تعلق ہے کہ مسجد اقصیٰ بنی اسرائیل کی عبادت گاہ ہے تو ہم یہ بات تو مانتے ہیں کہ ایک دور میں یہ بنی اسرائیل (اس دور کی ملتِ اسلامیہ) کی اہم عبادت گاہ رہی ہے، لیکن اس کی تعمیر پہلی مرتبہ بنو اسرائیل نے نہیں کی بلکہ یہ حضرت آدمؑ کے زمانے سے مسجدِ حرام کی طرح دین 'اسلام' (تمام انبیاء ورسل کے دین) کی ایک معروف اور اہم عبادت گاہ کے طور پر چلی آ رہی ہے، اس لیے حضرت سلیمانؑ کی مسجد اقصیٰ کی صرف تجدید سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس پر صرف یہود کے شرعی حق کا دعویٰ کیا جائے۔ ہمارے نزدیک مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی اہم عبادت گاہ ہے اور اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

پہلی دلیل: اگر تو یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو جائے کہ مسجد اقصیٰ کی پہلی تعمیر حضرت سلیمانؑ نے کی یا حضرت یعقوبؑ نے اس کی پہلی بنیاد رکھی تھی تو پھر تو یہ بات قابل بحث بنتی ہے کہ مسجد اقصیٰ پر یہود کا بھی شرعی حق ہے یا نہیں؟ لیکن اگر اس بات کے قوی دلائل موجود ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بھی مسجد اقصیٰ موجود تھی تو پھر ہمارے خیال میں یہ مسئلہ قابل بحث ہی نہیں بنتا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر وتاریخ کا تعین کرنے میں حضرت ابوذرؓ غفاریؓ کی درج ذیل روایت کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ فرماتے ہیں:

سألت رسول الله ﷺ عن أول مسجد وضع في الأرض قال: المسجد الحرام. قلت: ثم أي؟ قال المسجد الأقصى. قلت: كم بينهما؟ قال: أربعون عامًا (صحیح مسلم: کتاب المساجد، رقم ۵۲۰)

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، اس روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی۔ آپ نے جواب دیا: مسجدِ حرام میں نے پھر سوال کیا: اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟

www.KitaboSunnat.com

تو آپ نے فرمایا: مسجدِ اقصیٰ، میں نے کہا: ان دونوں کی تعمیر کے دوران کل کتنا وقفہ ہے تو آپ نے کہا: چالیس سال۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح حدیث کے مطابق سب سے پہلی مسجد جوروے زمین پر بنائی گئی، وہ مسجدِ حرام ہے جبکہ دوسری مسجد 'مسجدِ اقصیٰ' ہے اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے۔ہم نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب پھر لکھ رہے ہیں کہ اگر مسجد حرام کی پہلی تعمیر کو متعین کر دیا جائے تو مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا زمانہ واضح ہوجاتا ہے اور صحیح نصوص کے مطابق مسجد حرام کی پہلی تعمیر حضرت براہیمؑ سے پہلے ہو چکی تھی۔ اس لیے حضرت سلیمانؑ یا حضرت یعقوبؑ کسی طرح بھی مسجدِ اقصیٰ کے مؤسس اوّل نہیں بنتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ﴿رَبَّنَا إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ﴾ میں عند بيتك المحرم کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ بیت اللہ کی تعمیر اوّل حضرت ابراہیمؑ نے نہیں کی تھی۔صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ کر جا رہے تھے تو اُنھوں نے اس وقت یہ دعا مانگی۔اس روایت کے الفاظ ہیں:

استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال: ﴿رَبَّنَا إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ﴾

''حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگی: اے میرے ربّ بے شک میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کہ کھیتی والی نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء: رقم ۳۳۶۴)

اسی طرح قرآن کی آیت ﴿وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَٰهِـۧمُ ٱلۡقَوَاعِدَ مِنَ ٱلۡبَيۡتِ﴾ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے سے موجود بیت اللہ کی بنیادوں پر اس کی تعمیر کی تھی۔صحیح بخاری کی اسی روایت میں آگے یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ کر گئے تو اس وقت ایک فرشتے نے حضرت ہاجرہؑ کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا:

فقال لها الملك لا تخافوا الضيعة فإن ههنا بيت الله يبني هذ الغلام وأبوه و إن الله لا يضيع أهله . وكان البيت مرتفعا من الأرض كالرابية

www.KitaboSunnat.com

تأتيه السيول فتأخذ عن يمينه وشماله (ایضاً)

''تو فرشتے نے حضرت ہاجرہؑ سے کہا کہ آپ ضائع ہونے سے نہ ڈریں کیونکہ اس جگہ بیت اللہ ہے جس کی یہ لڑکا اور اس کا والد تعمیر (نو) کریں گے۔ (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا کہنا ہے کہ ان دنوں) بیت اللہ ٹیلے کی مانند زمین سے کچھ بلند تھا اور جب سیلاب وغیرہ آتا تھا تو وہ بیت اللہ کے دائیں اور بائیں جانب سے نکل جاتا تھا۔''

مزید برآں مسجد حرام کی حضرت ابراہیمؑ سے پہلے تعمیر کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کے لیے نماز کو مشروع قرار دیا تھا جس کے لیے ایک قبلہ کا ہونا ضروری تھا، لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت آدم اور ان کے بعد انبیا کے دین میں نماز کا مشروع ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کے لیے حضرت آدمؑ کوئی قبلہ بھی تعمیر کریں۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے مختلف انبیا کے ہاں حج کا تصور بھی اس بات کو مستلزم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ایک قبلے کا وجود مانا جائے۔

جہاں تک یہود کے نام نہاد قبلہ (ہمارے بیت المقدس) کا تعلق ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر دور میں مقدس شخصیات اور بابرکت مقامات کے حوالے سے ہر مذہب کے لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان شخصیات اور ان مقامات کی ان کی طرف خاص نسبت ہو، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کے حوالے سے یہود، نصاریٰ اور مشرکین مکہ کا بھی مسلمانوں کی طرح یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ ان کے مذہب کے حامل تھے۔ لہٰذا جس قسم کا اختلاف حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کے بارے میں ہوا، اسی قسم کا اختلاف مسجد اقصیٰ کے بارے میں بھی ہوا۔ مسجد اقصیٰ یہودیوں کی خصوصی عبادت گاہ نہیں ہے، اس کے بارے میں محترم عمار صاحب کو وہی دلیل دوں گا جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے یہودی یا عیسائی نہ ہونے کے حوالے سے یہود و نصاریٰ کو دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَ مَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَ الإِنْجِيْلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ مَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ

www.KitaboSunnat.com

الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آلِ عمران:٦٥ تا ٦٧)

''اے اہل کتاب! کیوں تم حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو۔اور تورات وانجیل نہیں نازل کی گئی مگر حضرت ابراہیمؑ کے بعد، کیا پس تم عقل نہیں رکھتے؟ ہاں تم وہی لوگ ہو، تم نے جھگڑا کیا، اس بارے میں کہ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی علم (دلیل) تھا (جیسے تورات وانجیل) پس کیوں تم جھگڑا کرتے ہو، اس بارے میں کہ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی علم (دلیل) نہیں ہے (جیسے حضرت ابراہیمؑ)۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ حضرت ابراہیمؑ نہ ہی یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ وہ یکسو مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔''

جناب عمار صاحب! آپ کس بنیاد پر مسجد اقصیٰ کو یہودی عبادت گاہ قرار دے رہے ہیں؟ حالانکہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر تو یہودی مذہب کی ابتدا سے ہزاروں سال پہلے ہو چکی تھی۔ چونکہ دلائل کی روشنی میں ثابت شدہ بات یہی ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ہو چکی تھی اس لیے یہ یہودیوں کی نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کی عبادت گاہ ہے۔

دوسری دلیل: مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں شامل ہے، جن کا تبرک حاصل کرنے کے لیے یا ان میں نماز پڑھنے کے لیے یا ان کی زیارت کے لیے سفر کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجدي هذا ومسجد الحرام ومسجد الأقصٰى (صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ، رقم:١٣٩٧)

''تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا قصد کر کے سفر کرنا جائز نہیں ہے، میری اس مسجد کا، یعنی مسجد نبویؐ کا، مسجدِ حرام کا اور مسجدِ اقصیٰ کا۔''

اسی طرح بعض صحیح احادیث میں بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک عام مسجد میں نماز پڑھنے سے دو سو پچاس گنا زیادہ بیان کی گئی ہے۔ اگر بیت المقدس یہودیوں کی عبادت گاہ اور قبلہ ہے تو وہاں نماز پڑھنے کی کیا تک بنتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا آخری طرزِ عمل یہ تھا کہ آپ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی یہودیوں کی مخالفت کرتے تھے چہ جائیکہ آپ مسلمانوں کو یہودیوں کی عبادت گاہ اور قبلے میں جا کر نماز پڑھنے کی ترغیب دلائیں۔ اسی طرح بعض صحیح احادیث کے مطابق مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا جائز

www.KitaboSunnat.com

ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ آپؐ کے زمانے میں ایک یہودی عبادت گاہ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ وہ عبادت گاہ ابھی تک مسلمانوں کے قبضے میں بھی نہ آئی تھی۔ضعیف روایت کے مطابق جب بھی کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر نکلے جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔ایک یہودی عبادت گاہ میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت کہ اس میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام اور مسجد نبوی کے علاوہ مسلمانوں کی تمام دنیا کی مساجد سے بڑھ کر ہو، یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی۔

عمار صاحب سے گزارش ہے کہ مسجد اقصیٰ کے حوالے سے صحیح احادیث میں وارد شدہ ایسے تمام فضائل کے بارے میں بھی اپنے نقطہ نظر کو واضح کریں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ان فضائل کو بیان کرنے کا مقصد کیا تھا؟

▣ میں جناب شیخ ابراہیم کا شکر گزار ہوں☆ کہ اُنہوں نے کچھ باتوں کی طرف توجہ دلائی:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اُصولی طور پر جناب ابراہیم صاحب کی اس بات سے متفق ہوں کہ کسی شخصیت کے افکار ونظریات پر تنقید کرتے وقت اخلاقی اصولوں کی پاسداری کرنی چاہیے اور میری کوشش ہوگی کہ آئندہ اپنے مضامین میں اس سے بھی زیادہ محتاط اُسلوب اختیار کروں۔لیکن جناب ابراہیم صاحب سے بھی میں وہی گزارش کروں گا جو کہ میں نے طالب محسن صاحب سے کی تھی کہ تنقید کرتے وقت ان بنیادی اخلاقیات کا پاس جناب غامدی صاحب کو بھی کرنا چاہیے اور انہوں نے اپنی کتاب 'برہان' میں مذہبی جماعتوں کے قائدین، علما اور فقہا کے بارے میں تنقید کرتے وقت طنز وتضحیک کا جو اُسلوب اختیار کیا ہے یا تو ان حضرات سے معذرت کرتے ہوئے انہیں اس کا اِزالہ کرنا چاہیے یا پھر غامدی صاحب کو ایک نئی 'برہان'

☆ فروری ۲۰۰۷ء کے شمارہ 'الشریعہ' میں میرا ایک مضمون 'غامدی صاحب کا تصورِ فطرت' شائع ہوا تھا جس پر 'المورد' کے ریسرچ سکالر جناب شیخ محمد ابراہیم کا ایک تنقیدی خط مارچ کے شمارے میں شائع ہوا۔الشریعہ کو جو خط میں نے بھیجا، اس میں عمار صاحب کے مضمون کے جائزہ کے علاوہ شیخ محمد ابراہیم کے خط پر مختصر تبصرہ بھی شامل تھا۔مدیر 'الشریعہ' محمد عمار ناصر صاحب نے ابراہیم صاحب کے خط کے اس جواب کو بھی شمارۂ اپریل میں شائع نہ کیا اور ۲؍اپریل کو رسالہ شائع ہوجانے کے بعد مجھے یہ آفر کی کہ اگر میں چاہوں تو مئی کے شمارے میں یہ خط شائع کیا جاسکتا ہے۔جواباً میں نے اُنہیں الشریعہ کے مئی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں یہ خط شائع کرنے سے منع کردیا اور اب یہ خط 'محدث' میں اشاعت کے لئے دیا جارہا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

تشکیل دینی چاہیے جو کہ اُن اخلاقی اُصولوں کے معیار پر پوری اُترتی ہو جس کی نصیحت ناصحین 'المورد' گاہے بگاہے غامدی صاحب کے ناقدین کو کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جب تک غامدی صاحب کی 'برہان' موجود ہے، وہ انکے ناقدین کو 'غیر اخلاقی تنقید' کا جواز فراہم کرتی رہے گی۔

② دوسری بات جس کی طرف جناب ابراہیم صاحب نے اشارہ کیا ہے کہ میں نے غامدی صاحب کے مآخذِ دین کو بیان کرتے وقت کوئی حوالہ نہیں دیا تو ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ میں نے غامدی صاحب کے مآخذِ دین بیان کرتے وقت ان کی کتاب 'میزان' اور ان کے رسالے 'اشراق' کا حوالہ دیا تھا۔ المورد کے ریسرچ اسکالر اور غامدی صاحب کے تلمیذِ خاص جناب منظور الحسن صاحب لکھتے ہیں:

''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنتِ ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث اُستاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف 'میزان' کے صفحہ ۴۷ پر 'دین کی آخری کتاب' کے زیرعنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔''

(ماہنامہ اشراق: مئی ۲۰۰۴ ص ۱۱)

'المورد' کے ریسرچ اسکالرز میرے اوپر تو تنقید کرتے ہیں کہ میں نے اپنی طرف سے غامدی صاحب کے مستقل مصادرِ شریعت دو کی بجائے چار بنا دیے حالانکہ سب سے پہلے جس نے اس بات کا انکشاف کیا کہ غامدی صاحب کے مصادرِ شریعت چار ہیں' وہ المورد کے ہی ایک ریسرچ سکالر' ماہنامہ 'اشراق' کے مدیر، غامدی صاحب کے تلمیذِ خاص ہیں۔ جناب منظور الحسن صاحب نے غامدی صاحب کی کتاب 'میزان' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مصادرِ شریعت چار ہیں جن کا تذکرہ اُستاذِ محترم نے اپنی کتاب 'میزان' کے صفحہ ۴۷ تا ۵۲ میں کیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ جس دن غامدی صاحب نے 'میزان' کے یہ صفحات پڑھائے ہوں، اس دن جناب ابراہیم صاحب کلاس سے غیر حاضر ہوں، اور کچھ نہ سہی تو یہ بات تو بہرحال طے شدہ ہے کہ منظور الحسن صاحب، المورد میں جناب ابراہیم صاحب سے کافی سینئر (Senior) ہیں اور ماہنامہ 'اشراق' کے مدیر بھی ہیں۔ اس لیے غامدی صاحب کی کتاب 'میزان' کے بارے میں وہی بات معتبر ہونی چاہیے جو منظور الحسن صاحب، غامدی صاحب کا نام لے کر، ان کے رسالے میں کر رہے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ہم اُمید کرتے ہیں کہ غامدی صاحب مدیر'اشراق' کی تائید میں جناب ابراہیم صاحب کی فکری اصلاح کرتے ہوئے ماہنامہ'الشریعہ' کے صفحات میں ضرور کچھ لکھنا پسند کریں گے۔ اس کے برعکس اگر غامدی صاحب'الشریعہ' کے کسی آئندہ شمارے میں مدیر'اشراق' جناب منظور الحسن صاحب کی مبینہ علمی خیانت اور بہتان پر مشتمل 'اشراق' میں چھپنے والی مذکورہ بالا عبارت کی تردید فرما دیتے ہیں تو میں اپنے اس موقف کے بارے میں یہی کہوں گا کہ جو غلط فہمی جناب منظور الحسن صاحب کو غامدی صاحب کی طویل صحبت کے باوجود ہوئی، میں بھی اسی کا شکار ہوا ہوں لیکن پھر غامدی صاحب سے میرے سوالات کی نوعیت کچھ اور ہوگی۔

باقی رہی یہ بات کہ حدیث، اجماع یا مولانا امین احسن اصلاحی، غامدی صاحب کے مآخذ ِدین ہیں یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں آئندہ مستقل مضامین میں بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

③ تیسری بات یہ کہ میں نے 'الشریعہ' میں شائع شدہ 'تصورِ فطرت' کے مضمون میں جتنے بھی حوالے دیے ہیں، ان کو ان کے قائلین کی طرف منسوب کیا ہے۔ جناب ابراہیم صاحب کا یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کہ میں نے 'المورد' کے ریسرچ اسکالرز کے بعض فتاویٰ غامدی صاحب کی طرف منسوب کیے ہیں۔ اگر کوئی عبارت غامدی صاحب کی تھی تو اس کی نسبت غامدی صاحب کی طرف کی گئی ہے اور اگر کوئی عبارت 'المورد' کے کسی ریسرچ اسکالر کی تھی تو اس کی نسبت اسی ریسرچ اسکالر کی طرف کی گئی ہے، مثلاً 'الشریعہ' میں شائع شدہ میرے اس مضمون کی دو عبارتیں ملاحظہ فرمائیں، ایک جگہ ایک عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''المورد کے ریسرچ اسکالر جناب منظور الحسن صاحب، غامدی صاحب کے مآخذِ دین کے بارے میں لکھتے ہیں۔''

ایک اور عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''اس کا اندازہ المورد کے ایک ریسرچ اسکالر امیر عبد الباسط کے شراب سے متعلق ایک سوال کے جواب سے ہوتا ہے۔''

اس لیے جناب ابراہیم صاحب کا یہ اعتراض بجا نہیں کہ میں نے بعض آرا کی نسبت بلا تحقیق غامدی صاحب کی طرف کر دی بلکہ میں نے ہر رائے کی نسبت اس کے اصل قائل ہی کی طرف کی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

آخر میں جناب مدیر'الشریعہ' سے گزارش کروں گا کہ میں پہلے بھی اپنے ایڈریس کی تصحیح کروا چکا ہوں، اب دوبارہ کروا رہا ہوں کہ ۵۱ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور تو غامدی صاحب کے ادارے 'المورد' کا ایڈریس ہے جبکہ قرآن اکیڈمی کا ایڈریس ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ہے۔

والسلام حافظ محمد زبیر

۲۳/ مارچ ۲۰۰۷ء ریسرچ ایسوسی ایٹ 'قرآن اکیڈمی'

.....

محمد عمار خاں ناصر کا جواب

برادرِ مکرم حافظ محمد زبیر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاجِ گرامی؟ آپ کا مکتوب موصول ہوا۔ بے حد شکریہ!

یہ بات میرے لیے حوصلہ افزائی کا باعث ہے کہ آپ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت سے متعلق میرے نقطہ نظر کی تنقیح وتنقید کے سلسلے کو افہام وتفہیم کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے اس جذبے کا خیر مقدم کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ یہ سلسلۂ گفتگو اگر اسی جذبے کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو نفس مسئلہ کی تنقیح کے ساتھ ساتھ خود میرے لیے بھی رہنمائی اور اگر میرا نقطہ نظر غلط ہے تو اس کی اِصلاح کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ اللھم ارنا الحق حقا وارقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارقنا اجتنابہ!

آپ نے جو نکات پیش کیے ہیں، ان پر اپنی معروضات پیش کرنے سے قبل میں آپ کے نقطہ نظر کا بہتر فہم حاصل کرنے کے لیے حسبِ ذیل دو نکتوں کی وضاحت چاہوں گا:

① آپ نے فرمایا ہے کہ مسجد اقصیٰ کا بنی اسرائیل کے لیے مرکزی عبادت گاہ، قبلہ، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کے لیے مرکز مقرر کیا جانا قرآن وسنت سے ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ وضاحت طلب نکتہ یہ ہے کہ آیا قرآن وسنت آپ کے نزدیک اصلاً دین وشریعت کا ماخذ ہیں یا اُنھیں تاریخ کا جامع ومانع ذخیرہ ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے؟ میری مراد یہ ہے کہ اگر تو مسجدِ اقصیٰ کے اُمتِ مسلمہ کے لیے عباداتی رسوم کا مرکز مقرر کیے جانے کا مسئلہ زیر بحث ہو تو یقیناً اس کے لیے قرآن وسنت ہی کی تصریح درکار ہوگی، لیکن یہ بات کہ اس مسجد کو بنی اسرائیل کی شریعت میں کیا مقام حاصل رہا ہے؟ میرے ناقص خیال میں

www.KitaboSunnat.com

شریعت کے بجائے تاریخ کا مسئلہ ہے اور اس کے لیے قرآن وسنت ہی سے ثبوت فراہم کرنے کی بات کم از کم میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ خود آپ نے حضرت آدمؑ کو بیت اللہ کا اوّلین مؤسس قرار دینے کے حق میں نہ صرف عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ایک ضعیف روایت جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ وہ اسرائیلیات کی قبیل سے ہے اور ابن ہشام کی کتاب التیجان کے بیان سے استدلال کیا ہے بلکہ مختلف قیاسات سے بھی کام لیا ہے۔ ('الشریعۃ' مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۹ و ۱۰)

اسی طرح آپ نے بنی اسرائیل کے لیے خیمہ اجتماع کے قبلہ مقرر کیے جانے اور پھر اس کے صخرۂ بیت المقدس کے مقام پر رکھے جانے سے متعلق ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ کے حوالے سے متعدد تاریخی واقعات ذکر کیے ہیں جن کا قرآن وسنت میں کوئی ذکر نہیں۔

('الشریعۃ' مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۱۶ و ۱۷)

پس اگر بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ کی تاریخ کے بعض پہلوؤں سے متعلق اسماعیلیات بلکہ اسرائیلیات سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے تو دیگر تاریخی پہلوؤں کے بارے میں قرآن وسنت ہی میں کسی تصریح کا پایا جانا کیوں ضروری ہے اور اس معاملے میں بائبل کے بیانات کو آپ یکسر ناقابل اعتنا کیوں گردانتے ہیں؟ میرے ناقص فہم کے مطابق تفسیر وحدیث کے علما کے ہاں اسرائیلیات کا اطلاق یہود ونصاریٰ سے منقول ان روایات پر کیا جاتا ہے جن کی نوعیت اصلاً قصہ کہانیوں اور دیومالا کی ہے۔ ان روایات کی پشت پر بالعموم کوئی تاریخی ریکارڈ موجود نہیں، اس وجہ سے اُنھیں کوئی استناد بھی حاصل نہیں، لیکن بائبل کے صحائف پر اسرائیلیات کا اطلاق کر کے اُنھیں کلیتًا ناقابل اعتبار قرار دینے کا طریقہ ہمارے اہل علم اور بالخصوص بائبل سے براہِ راست واقفیت رکھنے والے علما نے اختیار نہیں کیا بلکہ وہ بنی اسرائیل کی تاریخ کے ضمن میں عام طور پر ان صحائف سے پوری پوری مدد لیتے رہے ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بائبل کو اُصولی طور پر ایک قابل اعتنا ماخذ ماننے کے بعد اگر اس کا کوئی بیان قرآن وسنت سے یا تاریخی قرائن وشواہد سے ٹکراتا ہو تو اس کو ردّ کر دینے میں کسی کو بھی کوئی تردّد نہیں ہوگا۔ مسجد اقصیٰ کے معاملے میں بائبل کے مختلف بیانات کی نوعیت کیا ہے، اس پر ہم اپنے سلسلہ گفتگو میں آگے چل کر بحث کر سکتے ہیں۔ اس مرحلے پر میں متعین

www.KitaboSunnat.com

طور پر صرف یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ زیر بحث نکتے کو 'شریعت' کے دائرے کی چیز سمجھتے ہیں یا تاریخ کے دائرے کی؟ پہلی صورت میں آپ کی رائے کی توضیح اور اس کے دلائل مطلوب ہوں گے، جبکہ دوسری صورت میں آپ کو میرے مذکورہ سوال کا جواب عنایت فرمانا ہوگا۔

② آپ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تو یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو جائے کہ مسجد اقصیٰ کی پہلی تعمیر حضرت سلیمانؑ نے کی یا حضرت یعقوبؑ نے اس کی پہلی بنیاد رکھی تھی تو پھر تو یہ بات قابل بحث ہے کہ مسجد اقصیٰ پر یہود کا شرعی حق ہے یا نہیں؟ لیکن اگر اس بات کے قوی دلائل موجود ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بھی مسجد اقصیٰ موجود تھی تو پھر ہمارے خیال میں یہ مسئلہ قابل بحث ہی نہیں بنتا۔''

میں زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنا چاہوں گا کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں آپ کے نزدیک فرق کہاں سے واقع ہوتا ہے؟ یعنی حضرت یعقوب یا حضرت سلیمان کے مسجد اقصیٰ کا بانی ہونے کی صورت میں وہ کون سا نکتہ ہے جو بنی اسرائیل کے حق تولیت کو کم از کم 'قابل بحث' ضرور بنا دیتا ہے؟ مزید یہ کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ مسجد اقصیٰ کی تاسیس تو پہلے کسی دور میں ہوئی تھی لیکن تاریخ کے ایک خاص مرحلے میں اسے بنی اسرائیل کی ایک مرکزی عبادت گاہ قرار دیتے ہوئے اسے ان کی تولیت میں دے دیا گیا تھا تو کیا اس صورت میں بھی آپ کے نزدیک ان کا حق تولیت 'قابل بحث' بنتا ہے یا نہیں؟ اثبات یا نفی، دونوں صورتوں میں اُمید ہے کہ آپ اپنی رائے کی دلیل بھی بیان فرمائیں گے۔

قرآن اکادمی کے دیگر رفقا کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

۲/اپریل ۲۰۰۷ء محمد عمار خان ناصر

نوٹ: ① اگر آپ چاہیں تو ہماری مراسلت ساتھ ہی ساتھ 'الشریعہ' میں شائع ہوتی رہے گی، البتہ میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ یہ بحث اجزا اور اقساط میں سامنے آنے کے بجائے پہلے ہمارے مابین پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور اس کے بعد مکمل صورت میں یکجا شائع ہو۔ اگر آپ اس سے اتفاق فرماتے ہیں تو ازراہِ کرم اپنی تحریر میں سے حافظ ابراہیم صاحب کے خط سے متعلق حصے کو الگ کر دیں تاکہ اسے 'الشریعہ' کی مئی کی اشاعت میں شائع کیا جا سکے۔ ② میں جمعرات کو لاہور آتا ہوں۔ اگر آپ ۳ سے ۵ بجے کے درمیان اکادمی میں موجود ہوں اور کچھ وقت فارغ کر سکیں تو میں ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہوں گا۔

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد زبیر کا جواب الجواب

محترم جناب عمار خان ناصر صاحب

السلام علیکم! اُمید ہے، مزاج بخیر ہوں گے۔

آپ کے مکتوبِ گرامی میں جن دو نکات کے بارے میں مجھ سے وضاحت مانگی گئی ہے اس سلسلے میں قرآن وسنت کے بارے میں دین وشریعت کا ماخذ ہونا یا تاریخ کا جامع مانع ذخیرہ ہونے کا سوال آپ نے اُٹھایا ہے۔گویا کہ آپ قرآن وسنت کو دین وشریعت اور اسرائیلیات یا بائبل وغیرہ کو تاریخی کتاب قرار دینے کی بنیاد پر یہ سوال اُٹھا رہے ہیں۔حالانکہ بلاشبہ قرآن وسنت ہی بنیادی طور پر دین وشریعت کا بیان ہیں لیکن دین وشریعت کو بیان کرنے کے لیے بہت دفعہ ان کا انداز واقعاتی ہوتا ہے، کیونکہ واقعات کے پس منظر میں دین وشریعت کو بیان کرنے سے بات زیادہ مؤثر رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ (سنتِ رسولؐ) کا غالب حصہ تو واقعاتی ہے۔اس لیے سابقہ تاریخ وسیر کی جانچ پڑتال کو قرآن وسنت سے باہر نہیں رکھا جا سکتا جبکہ سابقہ الہامی کتابوں میں بیان شدہ جن واقعات کو قرآن وسنت نے بھی بیان کیا ہے، ان واقعات کی حقیقت وہی ہے جو ہماری شریعت میں ہے کیونکہ اللہ کی کتاب (قرآن وسنت) پہلی شریعتوں کی مُھیمن (نگہبان) بھی ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے میرے حوالے سے بعض معروف اہل علم کے ان استشہادات کا ذکر کیا ہے جنہیں میں اپنے مقالہ میں اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کر چکا ہوں، بالخصوص آپ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کی ایک ضعیف روایت کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں آپ کے بقول حافظ ابن کثیرؒ کا رجحان یہ ہے کہ وہ اسرائیلیات کی قبیل سے ہے۔اپنے اس استشہاد کی وجہ بیان کرنے سے پہلے میں اس سلسلے میں ضعیف احادیث اور سابقہ الہامی کتابوں کی روایات کے بارے میں اہل علم کا موقف امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں۔

امام ابن تیمیہؒ ان جلیل القدر ائمہ کی عبارت کے حوالے سے جو مجھول حدیث (یعنی جو نہ صحیح ثابت ہو اور نہ اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو) کی روایت فضائل اعمال میں جائز سمجھتے

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اس سلسلے میں ابن تیمیہؒ علما کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس مجہول حدیث کی اصل صحیح شرعی دلیل سے معلوم ہو۔ علاوہ ازیں اسی مجہول روایت سے وجوب واستحباب جیسے شرعی احکام ثابت نہ کیے جا رہے ہوں اور اس مجہول حدیث کی مثال اسرائیلیات سے دیتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

..... وهذا كالإسرائيليات يجوز أن يروٰى منها ما لم يعلم أنه كذب للترغيب والترهيب في ما علم أن الله أمر به في شرعنا ونهٰى عنه في شرعنا فأما أن يثبت شرعًا لنا بمجرد الإسرائيليات التي لم تثبت فهذا لايقوله عالم ولا كان أحمد بن حنبل ولا أمثاله من الأئمة يعتمدون على مثل هذه الأحاديث في الشريعة... (قاعدة جليلة فی التوسل والوسیلہ،ص۸۲)

''یہی صورت حال اسرائیلیات کی ہے کہ جب ان کا کذب معلوم نہ ہو تو ترغیب وترہیب کے لیے ان کی روایت جائز ہے اور یہ صرف اس وقت ہے جب کہ اس معاملے کا جائز یا ناجائز ہونا ہماری شریعت میں معلوم ہو۔ لیکن جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ مجرد اسرائیلیات سے ہمارے لیے کوئی شریعت ثابت کی جائے تو اس کا کوئی بھی عالم قائل نہیں ہے اور نہ ہی احمد بن حنبلؒ اور ان جیسے بڑے ائمہؒ شریعت کے بارے میں ایسی احادیث پر اعتماد کرتے ہیں۔''

آپ نے شریعت اور تاریخ کے تقابل میں ایک اچھوتی بات اور بھی پیش کی ہے وہ یہ کہ آپ بائبل کو اسرائیلیات سے علیحدہ کر کے اسرائیلیات صرف ان قصے کہانیوں اور دیومالائی قصوں کو قرار دیتے ہیں جس کی پشت پر کوئی تاریخی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک اسرائیلیات کی اہل علم کے ہاں نہ یہ تعریف ہے اور نہ ایسی گری پڑی بے اصل کہاوتوں کی روایت ہی جائز ہے، کیونکہ علما کے نزدیک معروف صیغے سے صرف صحیح یا مستند☆ روایت ہی کی جا سکتی ہے۔ بائبل وغیرہ کی کوئی سند موجود نہ ہونے کی بنا پر یہ بلا شبہ غیر مستند ہیں اور ان کے محرف ہونے پر قرآنِ مجید بھی شاہد ہے۔ اسرائیلیات کی تعریف کے سلسلے میں محمد حسین الذہبی کی مشہور تالیف التفسیر والمفسرون (ج۱ص۱۶۵) کے حوالے سے ڈاکٹر محمد بن محمد ابوشہبہ نے خلاصہ اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا ہے:

"ومن التوراة وشروحها والأسفار وما اشتملت عليه والتلمود وشروحه

www.KitaboSunnat.com

والأساطير والخرافات والأباطيل التي افتروها أو تناقلوها عن غيرهم كانت معارف اليهود وثقافتهم وهذه كلها كانت منابع ا لأصلية من إسرائيليات التى زخرت بها بعض كتب التفسير والتاريخ والقصص والمواعظ ... فمن ثم انجر ذلك إلى الإسرائيليات وقد يتوسع بعض الباحثين في الإسرائيليات فيجعلها شاملة لما كان من معارف اليهود وما كان من معارف النصارٰى التي تدور حول الأناجيل وشروحها والرسل وسيرهم ونحو ذلك فإنما سمّيت إسرائيليات لأن الغالب والكثير منها إنما هو من ثقافة بني إسرائيل أو من كتبهم ومعارفهم أو من أساطيرهم وأباطيلهم . (الإسرائيليات والموضوعات في كتب التفسير والتاريخ :ص۱۳،۱۴)

''تورات،اس کی شروح، اسفار اور جن پر وہ مشتمل ہیں؛تلمو د اور اس کی شروح،کہانیاں اور دیو مالائی قصے اور بے اصل باتیں جنہیں اُنہوں نے گھڑ لیا تھا اور افواہیں؛یہی اصل میں یہودی علوم اوران کی ثقافت ہے اور یہ سب کچھ ان اسرائیلیات کے ماخذ اور سرچشمے ہیں جن سے بعض تفسیر،تاریخ،قصوں اور وعظ ونصیحت کی کتابیں سنواری گئی ہیں؛تب سے ان پر اسرائیلیات کا لفظ جاری ہوگیا۔بعض محققین اسرائیلیات میں وسعت پیدا کرتے ہوئے یہودی علوم وفنون کے علاوہ اس میں وہ تمام عیسائی علمی ذخیرہ بھی شامل کرتے ہیں جو انجیلوں ،ان کی شروح، رسولوں اور ان کی سیرتوں وغیرہ پر مشتمل ہے کیونکہ ان چیزوں کا بڑا حصہ بنی اسرائیل کی ثقافت ہی ہے جو انہی کی کتابوں،علوم ومعارف،کہانیوں اور بے بنیاد قصوں سے لیا گیا ہے۔''

جہاں تک میرے اوپر آپ کے الزام کا تعلق ہے کہ میں بھی ضعیف روایات یا اسرائیلیات سے استدلال کرتا ہوں تو یہ بات درست نہیں ہے بلکہ میرے اصل دلائل قرآن وسنت ہیں۔ البتہ قرآن وسنت سے استدلال کرتے ہوئے میں اگر کہیں اسرائیلیات یا ضعیف روایات سے اُنہیں تائید دیتا ہوں تو یہ علمی اصطلاح میں 'استشہاد' کہلاتا ہے ۔علاوہ ازیں اہل علم کی آرا میرے لیے مزید اطمینان کا باعث ہوتی ہیں گویا میرا انداز مسلمانوں کا مسلمہ طریق تحقیق ہے جب کہ آپ کا موقف صرف اسرائیلیات پر مبنی ہے۔ہم شروع سے ہی آپ سے یہ مطالبہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ اپنے موقف کی کوئی دلیل قرآن وسنت سے پیش کریں،لیکن آپ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے اس موقف 'کہ مسجد اقصیٰ بنی اسرائیل کے لیے مرکزی عبادت گاہ، قبلہ، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کے لیے مرکز ومرجع ہے، کے اثبات میں تا حال قرآن وسنت سے کوئی ایک دلیل بھی نہیں دی۔ میں بصد احترام آپ سے ایک بار پھر وہی گزارش کروں گا جو کہ میں اپنی اصل تحریر اور اس کے بعد ایک خط میں بھی کر چکا ہوں کہ اپنے موقف کے اثبات میں کوئی ایک دلیل قرآن وسنت سے پیش کریں، ورنہ کم از کم یہ تو تسلیم کر لیں کہ آپ کے موقف کی کوئی دلیل قرآن وسنت میں نہیں ہے بلکہ آپ کے اصل دلائل وہ اسرائیلیات ہیں جس کو آپ کتاب مقدس کے بیانات کہتے ہیں۔

میرے پہلے خط کے حوالے سے آپ نے مجھ سے دو سوالات کا جواب طلب کیا ہے تاکہ میرے نقطہ نظر کا بہتر فہم آپ کو حاصل ہو سکے۔ ان سوالات کا جوب درج ذیل ہے:

① آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے ہمارے نزدیک 'مسجد اقصیٰ کا بنی اسرائیل کے لیے مرکزی عبادت گاہ ہونا' قبلہ ہونا' قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے مرکز ومرجع ہونا، امتِ مسلمہ کے لیے ایک شرعی مسئلہ ہے کیونکہ اس مفروضے کو ماننے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت، مسلمانوں کا شرعی حق نہیں ہے اور مسجد اقصیٰ کی تولیت پر مسلمانوں کا شرعی حق نہ ہونا، ملتِ اسلامیہ کی شریعت کا مسئلہ ہے جس کے لیے دلیل لازماً قرآن وسنت سے ہونی چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ 'مسجد اقصیٰ کا بنی اسرائیل کے لیے مرکزی عبادت گاہ ہونا، قبلہ ہونا، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے مرکز ومرجع ہونا، بنی اسرائیل کے لیے ایک شرعی مسئلہ تھا۔ ہماری نظر میں اُمت محمدیہ کے لیے یہ بحث شرائع من قبلنا کی ہے۔ اُصولِ فقہ کے ماہرین نے اُصول کی کتب میں شرائع من قبلنا کی چار اقسام بیان کی ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی واقعے یا مسئلے کا بیان پچھلی شریعتوں میں ہو اور قرآن وسنت میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو تو علما اور فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس واقعے یا مسئلے سے کوئی شرعی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اگر آپ اس بات کو ایک مجرد تاریخی واقعے کے طور پر بیان کرتے ہیں تو ہمارے خیال میں تصدیق وتکذیب کیے بغیر اس کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ زیر بحث تاریخی واقعہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن وسنت کی تائید کے بغیر ایک مفروضہ ہے جبکہ آپ اس تاریخی واقعے کو صحیح قرار دیتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک اس تاریخی واقعے سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مسجد اقصیٰ کی تولیت پر کوئی حق نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک آپ کا یہ استدلال اجماعاً غلط ہے۔

تیسری بات یہ کہ شرائع من قبلنا کی ایک قسم جس کا آپ نے بھی تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بائبل کو اُصولی طور پر ایک قابل اعتنا ماخذ ماننے کے بعد اگر اس کا کوئی بیان قرآن وسنت سے یا تاریخی قرائن وشواہد سے ٹکراتا ہو تو اس کو ردّ کردینے میں کسی کو بھی کوئی تردّد نہیں ہوگا۔'' ہمارے نزدیک آپ کے اس موقف 'مسجدِ اقصیٰ کا بنی اسرائیل کے لیے مرکزی عبادت گاہ ہونا، قبلہ ہونا، قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوم کی ادائیگی کے لیے مرکز ومرجع ہونا، کی تردید قرآن وسنت سے بھی ہوتی ہے اور ہم نے اس کے دلائل اپنے اصل مضمون میں دیے تھے۔ میں نے سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸ سے استدلال کیا تھا کہ یہود کا اصل قبلہ (یعنی مرکزی عبادت گاہ اور روحانی مرکز ومرجع) بیت اللہ ہی ہے۔ آپ نے ان آیات سے میرے استدلال کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کی آیت واجعلوا بیوتکم قبلة کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد کعبة ہے۔ گویا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کے مطابق بنی اسرائیل کا قبلہ کعبة ہے اور قبلہ ہی کسی مذہب کی مرکزی عبادت گاہ اور روحانی مرکز ومرجع ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول غیر اجتہادی اُمور سے متعلق ہے اور غیر اجتہادی اُمور میں کسی صحابی کا قول حدیثِ مرفوع حکمی کہلاتا ہے۔

اسی طرح ہم نے اپنے اصل مضمون میں صحیح احادیث کی روشنی میں یہ بھی ثابت کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے انبیا بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے آتے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یونسؑ کے بارے میں صحیح روایات میں ملتا ہے اور خود آپ بھی اس بات کے قائل ہیں جیسا کہ ایک ملاقات کے دوران آپ نے اس بات کا اقرار کیا کہ بنی اسرائیل کے انبیا کا مقامِ حج 'بیت اللہ' ہی تھا۔ جب اولادِ ابراہیم کا مقام حج، بیت اللہ ہے تو اولادِ ابراہیمؑ کے لیے بیت اللہ ہی اصل قربان گاہ اور دیگر عباداتی رسوام کی ادائیگی کے لئے مرکز ومرجع بھی ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

چوتھی بات یہ کہ ہمارے نزدیک 'مسجد اقصیٰ' مسجدِ نبوی کی طرح ایک اہم عبادت گاہ تو ہے لیکن یہ ان کا قبلہ نہیں ہے۔ اسی طرح نہ مرکزی قربان گاہ ہے اور نہ ہی دیگر عبادتی رسوم کی ادائیگی کے لیے کوئی مرکز و مرجع ہے۔ مسجد اقصیٰ اور مسجدِ نبویؐ کی عام مساجد کے اعتبار سے خصوصی فضیلت یہ ہے کہ ان کی طرف زیارت کی نیت سے سفر جائز ہے جو فضائل و برکات کے اعتبار سے عام مساجد کی نسبت ان کی فضیلت و برتری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مساجد انبیا کی تعمیر کردہ ہیں۔ علاوہ ازیں 'مسجدِ اقصیٰ' مسجدِ نبویؐ سے تاریخی اعتبار سے مقدم ہے لیکن فضائل اور برکات کے اعتبار سے کم ہے، البتہ مسجدِ اقصیٰ کا مسجد حرام سے تقابل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی فضیلت مسجدِ اقصیٰ سے سینکڑوں مرتبہ زیادہ ہے۔

② دوسرا آپ کا سوال یہ تھا کہ ''حضرت یعقوب یا حضرت سلیمان کے مسجد اقصیٰ کے بانی ہونے کی صورت میں وہ کون سا نکتہ ہے جو بنی اسرائیل کے حق تولیت کو کم از کم قابل بحث ضرور بنا دیتا ہے۔''

آپ کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مسجد اقصیٰ کی تولیت کی علت دین اسلام ہے گویا یہ ملتِ اسلامیہ کی اہم عبادت گاہ ہے، نہ کہ بنی اسرائیل کا نسلی توارث۔ اگر تو یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو جائے کہ حضرت یعقوبؑ یا حضرت سلیمانؑ نے پہلی مرتبہ مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا تھا تو پھر کم از کم یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کی علت کہیں نسلی توارث نہ ہو؟ لیکن قرآن وسنت اور قیاس صحیح کی روشنی میں یہی بات ثابت شدہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ہو چکی تھی جیسا کہ ہم اپنے اصل مضمون میں ثابت کر چکے ہیں اور آپ نے بھی اس کا ابھی تک انکار نہیں کیا۔ پس حضرت ابراہیمؑ سے پہلے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا ثابت ہونا اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کی اصل علت دین اسلام ہے نہ کہ نسلی توارث، کیونکہ یہ ملتِ اسلامیہ کی عبادت گاہ ہے نہ کہ یہود کی۔ اسی طرح آیت مبارکہ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ﴾ (التوبہ:۱۸) میں بھی اس بات کا بیان ہے کہ کسی بھی مسجد کی تولیت کا بنیادی حق اس کو حاصل ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے اور نماز

www.KitaboSunnat.com

قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے۔ جس قوم کو اپنی نماز کا طریقہ بھی یاد نہ ہو، اس کو مسجد اقصیٰ دینے کا کیا مفہوم ہے؟ مسجد کی سب سے اہم عبادت نماز ہے اور یہودیوں کی کون سی نماز ہے جس کو وہ مسجد اقصیٰ کو حاصل کر کے ادا کریں گے؟

نص میں جس علت کا تذکرہ ہو، اس کی ایک قسم 'ایماء' کہلاتی ہے۔ 'ایماء' کی عام طور پر اُصولیین نے تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ کسی حکم کو اگر کسی وصف سے ملایا گیا تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ اس آیت میں بھی مساجد کے آباد کرنے کے فوراً بعد کچھ اوصاف کا تذکرہ ہے جو کہ بطریق 'ایماء' اس حکم کی علت بن رہے ہیں اور یہ ایسی علت ہے جس کی خبر ہمیں نص نے دی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اُصولیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب جمع کے صیغے کو اضافت کے ذریعے معرفہ بنایا جائے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔☆ اس لیے مذکورہ بالا آیت میں مساجد اللہ کا لفظ عام ہے اور یہ بات بھی اتفاقی ہے کہ سبب نزول سے کسی عام کی تخصیص نہیں ہوسکتی کیونکہ شانِ نزول کسی امر کے سمجھنے میں معاون تو ہوتا ہے، علت نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کو علما نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب اس لیے اس آیت کا سببِ نزول کچھ بھی ہو، ہم اس کی تخصیص نہیں کریں گے لہٰذا 'مساجداللہ' سے مراد صرف مسجدِ حرام نہیں ہوگی۔

اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مختار مذہب یہی ہے کہ عام کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہوتی ہے جب تک کہ اس کی تخصیص نہ ہوئی ہو، اس لیے کسی عام کی پہلی تخصیص صرف اسی دلیل سے جائز ہے جو کہ خود قطعی الدلالہ ہو جبکہ آپ اس عام کی تخصیص قرآن کے سیاق وسباق سے کرتے ہیں۔ معذرتاً عرض ہے کہ جس کو آپ قرآن کا سیاق وسباق کہتے ہیں، وہ آپ کا ذاتی فہم ہے اور ذاتی فہم سے قرآن کے عام کی تخصیص نہیں ہوسکتی۔

اُمید ہے کہ آپ اس بار میری ان گزارشات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت سے اپنے موقف کے دلائل ضرور دیں گے یا پھر اپنی کتابِ مقدس کے ان مقامات کی نشاندہی ضرور کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو یہود کا قبلہ اور مرکزی عبادت گاہ مقرر کیا تھا۔

☆ اصول الفقہ الاسلامی از ڈاکٹر وہبہ زحیلی: ص ۲۴۵، ۲۴۶

www.KitaboSunnat.com

محمد عمار ناصر کے پہلے تنقیدی مضمون کے پانچ نکات پر ہمارا تبصرہ

مسجد اقصیٰ کے بارے میں میری تحقیق وتنقید کے جواب میں ابھی تک ایک تو عمار صاحب کا مضمون ہے جو مارچ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا اور دوسرا اُن کا وہ خط ہے جس کا محدث کے سابقہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے اور اس کا مفصل جواب بھی ہم نے ساتھ ہی شائع کر دیا ہے۔ جہاں تک عمار صاحب کے پہلے تنقیدی مضمون کا معاملہ ہے تو وہ ۵/نکات پر مشتمل تھا۔

پہلے نکتے میں عمار صاحب نے ہم سے ایک سوال کیا تھا کہ مسجدِ اقصیٰ کی تاسیس کے حوالے سے موجود تین آرا میں ایک رائے کو اختیار کرنے کی ہمارے نزدیک کیا وجوہات ہیں؟ ہم نے ان کے اس سوال کا تفصیلی جواب علمی دلائل کے ساتھ 'محدث' کے سابقہ صفحات میں اپنے پہلے خط میں دے دیا ہے۔

عمار صاحب کا دوسرا نکتہ ایک عربی عبارت کے ترجمے کے حوالے سے ان پر ہماری طرف سے ہونے والی تنقید کے جواب میں تھا؛ یہ نکتہ ایک ضمنی بات پر مشتمل تھا۔ عمار صاحب کا تیسرا نکتہ ان کے ان نا مناسب بیانات کی وضاحت پر مشتمل تھا جو اُنہوں نے اپنے اصل مضمون میں علما پر تنقید کرتے ہوئے دیئے تھے۔ یہ نکتہ ہمارے مضمون کی اصل بحث سے ہٹ کر تھا۔ عمار صاحب کا چوتھا نکتہ جو کہ ہمارے نزدیک ان کے اس مضمون میں واحد علمی نکتہ تھا، جو اُن پانچ ضمنی نکات میں بھی علمی نکتہ صرف یہی تھا اور ابن قیم کی اس عبارت پر مشتمل تھا جو عمار صاحب نے ان کی تصنیف هداية الحيارى کے حوالے سے بیان کی تھی۔ میں نے اپنے اصل مضمون میں امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کا موقف بیان کرتے ہوئے کہ یہ حضرات مسجد اقصیٰ کو یہود کا اللہ کی طرف سے مقرر کردہ قبلہ نہیں مانتے، ان کی عربی عبارات بھی لکھیں تھیں لیکن جناب عمار صاحب نے جب 'الشریعۃ' میں میرا مضمون شائع کیا تو اس میں عربی عبارات کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے عمار صاحب کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ

''ابن تیمیہ نے کعبہ کو حضرت ابراہیم اور ان سے پہلے کے انبیا کا قبلہ تو قرار دیا ہے لیکن ان کے بعد کے انبیا کے لیے کعبہ ہی کے 'قبلہ' ہونے کی، جیسا کہ فاضل ناقد کا اصرار ہے، نہ تو کوئی تصریح کی ہے اور نہ اشارہ''

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ ابن تیمیہ کی عربی عبارت اس مسئلے میں اتنی واضح ہے کہ عربی زبان کے ابتدائی طالب علم کے لیے بھی شاید وہ کسی اُلجھن کا باعث نہ ہو۔امام صاحب لکھتے ہیں:

ولم يشرع الله مكانا يصلي إليه إلا الكعبة والأنبياء الخليل ومن قبله انما كانوا يصلون إلى الكعبة وموسى لم يكن يصلي إلى البيت المقدس بل قالوا: إنه كان ينصب قبة العهد إلى العرب ويصلى إليها في التيه

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے علاوہ کسی مقام کو بھی شریعتِ اسلامیہ میں نماز کے لیے جہت نہیں بنایا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان سے ماقبل کے تمام انبیا کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور خود حضرت موسیٰ بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ خیمہ عہد کو عرب (یعنی بیت اللہ) کی طرف رخ کر کے نصب کرتے تھے۔''

ہمارا عمار صاحب سے سوال ہے کہ حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم سے پہلے تھے یا بعد میں تھے؟اور خط کشیدہ الفاظ کا کیا مفہوم ہے؟ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ امام صاحب کے اتنے واضح موقف پر عمار صاحب کو یہ اشکال کیوں پیدا ہو رہا ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں:''امام صاحب کی عبارت میں نہ تو کوئی تصریح ہے اور نہ ہی کوئی اشارہ!''

دوسری بات یہ کہ انہوں نے امام ابن قیمؒ کے حوالے سے جو عبارت نقل کی ہے اس کو سمجھنے میں ان کو غلط فہمی ہوئی' اگر وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی بجائے امامؒ صاحب کی دونوں کتابوں یعنی 'بدائع الفوائد' اور 'ہدایۃ الحیاری' کی عبارتوں کو سامنے رکھ کر امام صاحب کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو شاید ان کو 'ہدایۃ الحیاری' کی عبارت اپنے موقف کی تائید میں ہونے کا مغالطہ نہ ہوتا۔ امام صاحب کی کتاب 'بدائع الفوائد' کی عربی عبارت جس کو عمار صاحب نے ہمارے مضمون میں حذف کر دیا تھا، یہ ہے:

استقبال أهل الكتاب لقبلتهم لم يكن من جهة الوحي والتوقيف من الله بل كان عن مشورة منهم واجتهاد... أما قبلة اليهود فليس في التوراة الأمر باستقبال الصخرة البتة

''اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا اپنے اپنے قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا وحی کی

www.KitaboSunnat.com

رو سے یا اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اُنہوں نے اپنا قبلہ آپس کے مشورے اور اجتہاد سے مقرر کیا...(امام ابن قیم پہلے نصاریٰ کے قبلے کا ردّ کرتے ہوئے پھر یہود کی غلطی کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں) جہاں تک یہود کے قبلے کا تعلق ہے تو یہ بات تو واضح ہے کہ تورات میں کہیں بھی صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔''

امام صاحب کی یہ عبارت بالکل واضح ہے اور جہاں تک 'ہدایۃ الحیاری' کی عبارت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے:

وما صلى المسيح إلى الشرق قط وما صلى إلى أن توفاه الله إلا إلى بيت المقدس وهي قبلة داؤد والأنبياء قبله وقبلة بني اسرائيل

''اور حضرت عیسیٰ نے کبھی بھی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھی۔ وہ اپنے آسمانوں پر اُٹھائے جانے تک بیت المقدس کو سامنے رکھتے ہوئے (بیت اللہ ہی کے رخ) نماز پڑھتے رہے جو حضرت داؤد کا اور حضرت مسیح سے پہلے آنے والے انبیا اور بنی اسرائیل کا (اصل قبلہ یعنی بیت اللہ کے علاوہ ایک اضافی) قبلہ (نماز کی جہت) تھا۔''

ہم نے یہ مفہوم امام ابن قیمؒ کی دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر پیش کیا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں عبارتوں میں تطبیق کی صورت یہی ہے کہ یہود کا اصل قبلہ تو بیت اللہ تھا جبکہ اُنہوں نے اپنے مشورے اور رائے سے بیت المقدس کو بھی اپنا قبلہ بنا لیا تھا جیسا کہ 'بدائع الفوائد' کی عبارت میں وضاحت ہے۔ اور یہود کا مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں جب صحرا میں بنی اسرائیل نماز پڑھتے وقت بیت اللہ کی طرف رخ کرتے تھے تو بطورِ تبرک لڑائی کی طرح تابوتِ سکینہ کو بھی اپنے سامنے رکھتے تھے۔ فلسطین میں بنی اسرائیل کی آمد کے بعد یہ تابوت تو صخرہ پر رکھ دیا گیا۔ اب بنی اسرائیل نے اپنی نمازوں میں بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہوئے صخرہ کو بھی سامنے رکھنا شروع کر دیا' ان کا صخرہ کو سامنے رکھنا اس پر موجود تابوتِ سکینہ سے تبرک حاصل کرنے اور حضرت موسیٰ کی تیہ (صحرا) میں سنت کو پورا کرنے کی غرض سے تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ اللہ نے صخرہ کو بنی اسرائیل کا قبلہ بنا دیا تھا۔ صخرہ سے تابوت کے غائب ہو جانے کے بعد آنے والے بنی اسرائیل بھی اپنی نمازوں میں سابقہ انبیاے بنی اسرائیل کی سنت کو پورا کرنے کے لیے بیت اللہ کے ساتھ ساتھ صخرہ (مسکن

www.KitaboSunnat.com

تابوت) کو بھی اپنی نمازوں میں سامنے رکھنے لگے۔

جبکہ 'ہدایۃ الحیاری' میں اپنی اس عبارت کے سیاق میں امام ابن قیمؒ عیسائیوں کا ردّ کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں کہ تم نے ہر مسئلے میں یہود کی مخالفت کی یہاں تک کہ تم نے قبلے کے معاملے میں یہود کی مخالفت کرتے ہوئے مشرق کو اپنا قبلہ بنا لیا حالانکہ انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت عیسیٰ اپنی نمازوں میں بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہوئے صخرہ کو تو سامنے رکھتے تھے لیکن جہتِ مشرق کو اُنہوں نے کبھی بھی اپنا قبلہ نہیں بنایا۔ یہ ایک واقعاتی حقیقت ہے جس کی طرف امام ابن قیم اشارہ کر رہے ہیں، نہ کہ شرعی مسئلہ!

عمار صاحب کا پانچواں نکتہ 'الشریعۃ' ستمبر ۲۰۰۶ء میں غامدی کے تصورِ سنت پر شائع ہونے والے میرے ایک مضمون کی عبارت پر نقد تھا جس کا براہِ راست مسجدِ اقصیٰ کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ عمار صاحب نے اپنے مضمون میں جن پانچ نکات پر بحث کی تھی، ان میں سے تین کا تعلق تو اصل بحث سے بالکل ہی نہیں تھا جب کہ دو نکات کا تعلق اصل بحث سے ضمناً تھا جب کہ جو اصل موضوعِ بحث تھا یعنی قرآن وسنت سے عمار صاحب کا اپنے موقف کے حق میں کوئی ایک دلیل بھی نقل کرنا تو اس بارے میں ابھی تک عمار صاحب ہماری رہنمائی کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں عمار صاحب نے اپنے مضمون میں إلی أن توفاہ اللہ کی عربی عبارت کا ترجمہ 'اپنے قبض کیے جانے تک' کیا ہے جس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ غامدی صاحب کی طرح آسمانوں پر حیاتِ مسیح کے مسلمہ عقیدے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ عمار صاحب کا اگر ایسا عقیدہ نہیں ہے تو اس کی اُنہیں وضاحت کرنی چاہیے تاکہ قارئین کو غلط فہمی نہ پیدا ہو۔

حافظ محمد زبیر

ریسرچ ایسوسی ایٹ 'قرآن اکیڈمی' ۲۷/اپریل ۲۰۰۷ء

www.KitaboSunnat.com

نقد ونظر

مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے حق دار شرعاً کون؟

معاصر **الشریعة** کے ایک قاری کا مراسلہ

شمارۂ اپریل میں محولہ بالا موضوع پر شائع ہونے والی مراسلت کے آخر میں جناب عمار ناصر نے اس بحث کا فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا تھا۔ پھر نامعلوم کن وجوہ کی بنا پر 'الشریعہ' کے ایک قاری کا زیر نظر تبصرہ 'الشریعہ' میں مراسلات کے مستقل کالم کے باوجود اشاعت سے محروم ہے؟ عدمِ التفات کا شکار یہ مراسلہ چند روز قبل محدث میں اشاعت کے لئے موصول ہوا ہے۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں .....

محترم جناب قابل صد احترام مولانا زاہد الراشدی صاحب **حفظه الله ورعاه**

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے، مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ باعثِ تحریر آنکہ بندہ کا گذشتہ کئی سالوں سے 'الشریعہ' کے ساتھ قاری کی حیثیت سے تعلق ہے۔ شمارۂ اپریل ۲۰۰۷ء سے ہمیں اچھی طرح اس کی قیمت ادا کرنا پڑی ہے کہ دو نا قابل تسخیر اور بلند قامت شخصیات کے درمیان مسجدِ اقصیٰ کو کچا کھانے کے لئے پیش کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر ہمارے بہت سے قیس بن ساعدہ اور زیاد بن ابی سفیان قسم کے خطبا گہری خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں جو کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اجتہاد وتقلید، طلاقِ ثلاثہ اور تبلیغی جماعت وغیرہ کے موضوعات پر کوئی بھی اختلافی بیان برداشت کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے اور ان کی رگِ مذہبیت فوراً پھڑک اٹھتی ہے۔ ان عظیم شخصیات میں سے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی جیسے عمل کی حد تک حنفی بھی خاموش دکھائی دیتے ہیں جو سَلَفیت کو سِفْلیت کا نام دینے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور آدابِ تحریر بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ پر حق تولیت کے موضوع پر حصہ لینے میں صرف جناب محمد عطاء اللہ صدیقی (محدث: نومبر، دسمبر ۲۰۰۳ء)، حافظ محمد زبیر (الشریعہ: فروری ۲۰۰۷ء) اور

www.KitaboSunnat.com

جناب حافظ حسن مدنی (محدث: مارچ، اپریل ۲۰۰۷ء) ہی میدان میں کیوں؟

ہمارے خیال میں ان حضراتِ گرامی قدر نے عقلی ونقلی، معروضی حقائق، تاریخی واقعات وغیرہ دلائل سے ثابت کیا کہ مسجدِ اقصیٰ کا تمام احاطہ مسلمانوں کا ہے اور حق تولیت صرف اُنہیں کا ہے۔ یہود اپنی انہی شرارتوں اور نالائقی کی وجہ سے امامت وسیادت کے منصب سے تحویل قبلہ کے ذریعہ معزول کردیئے گئے۔ جناب عمار ناصر صاحب نے فرمایا کہ

① قرآن وسنت، یہود کے قبلہ اور مرکزِ عبادت کی تولیت سے محروم کرنے کے لئے ایک واضح نص کا متقاضی ہے۔ اس کے بغیر محض عقلی استدلال کی بنیاد پر کوئی اقدام نہیں اٹھایا جاسکتا۔ (الشریعہ: ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۳ء)

② اثریاتی تحقیق کے نتیجے میں مسجدِ اقصیٰ کے نیچے ہیکل سلیمانی کے کوئی آثار دریافت نہیں ہوسکے۔ خود فلسطین کے مسلم راہنما، اسرائیل کے وجود میں آنے اور بیت المقدس پر قبضے سے قبل تک ان حقائق کو تسلیم کرتے رہے اور اُنہوں نے اِنہیں جھٹلانے کی جسارت کبھی نہیں کی۔ (الشریعہ: مارچ ۲۰۰۷ء)

③ عالم عرب کا اجماعی موقف، متعدد اکابر علماے دین ومفتیانِ شرع متین کی تائید ونصرت، مسلم اور عرب میڈیا کا تسلسل کے ساتھ اسے دہرانا کتمانِ حق اور تکذیبِ آیات اللہ کے زمرے میں آتا ہے۔ (حوالہ سابقہ، صفحہ ۳۰)

④ اصل مسجدِ اقصیٰ، ہیکل سلیمانی ہی ہے مگر اس کا محل وقوع معلوم نہیں۔ اس وقت مسلمان جس مسجد کو مسجدِ اقصیٰ کہتے ہیں وہ سیدنا عمرؓ کی نماز پڑھی ہوئی جگہ پر ہے۔

(الشریعہ، مارچ/اپریل ۲۰۰۷ء)

اور موجودہ مسجدِ اقصیٰ، قرآنِ مجید کی ذکر کردہ مسجدِ اقصیٰ کی اصل عمارت کا حصہ نہ ہونے کے باوجود توسیعی طور پر مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ اس میں نماز کی وہی فضیلت ہے جو صحیح احادیث سے مسجدِ اقصیٰ کے حوالے سے ثابت ہے۔ (الشریعہ: اپریل ۲۰۰۷ء)

⑤ مخالف کی ساری باتیں اور دلائل اپنے اصل ہدف پر صادق نہیں آتے۔

جناب والا! جہاں تک ہم نے دونوں فریق کے نقطہ ہائے نظر، دلائل اور ایک دوسرے پر

www.KitaboSunnat.com

تردید وغیرہ پڑھے ہیں، ان کی روشنی میں ہمیں پہلے جو کچھ اشکال تھا، وہ بھی ختم ہوگیا اور یقین ہوگیا کہ مسجدِ اقصیٰ پر شرعاً حق صرف اور صرف مسلمانوں کا ہے، یہود کا اس میں کوئی حق نہیں۔ جمہور مقالہ نگاروں نے قرآن وحدیث، اور ان دونوں سے ماخوذ اجتہادات، عقلی دلائل، تمام مسلمانوں کے اتفاق و دیگر حقائق کی روشنی میں اسی چیز کو ثابت کردیا ہے۔

ان حضرات نے عمار صاحب کے ایک ایک نقطہ نظر اور شبہات کی تردید فرمائی ہے۔ کم از کم ہمارے لئے اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی دِقت نظر نہیں آئی کہ محترم عمار صاحب کا موقف غلط ہے اور اس کے دلائل کمزور ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ موصوف کی خوبی ہے کہ وہ کسی بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور کبھی اپنی ہار نہیں مانتے۔ مثلاً دیکھئے کہ وہ اور اُن کے ہم نوا عقل اور فہم کا خوب ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود یہاں بڑے دھڑلے کے ساتھ فرماتے ہیں کہ

''محض عقلی استدلال کی بنیاد پر کوئی اقدام نہیں اُٹھایا جاسکتا، حالانکہ عقل و قیاس تو ہمارے دین کے مآخذِ اربعہ میں سے ایک ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کتاب وسنت سے متصادم نہ ہوں۔''

ہمیں تو خود عمار صاحب کے بیان کردہ دلائل سے مسلمانوں کے اجماعی موقف کی تائید ملی۔ آپ اندازہ کریں کہ اگر اثریاتی تحقیق کے نتیجہ میں مسجدِ اقصیٰ کے نیچے ہیکل سلیمانی کے آثار دریافت نہیں ہوتے تو عمار صاحب اس پر ناراض کیوں ہیں؟ یہود کا زور اسی پر ہے کہ اس کے نیچے آثار ثابت کریں اور مسجد کو گرائیں۔ مگر وہ ناکام ہوچکے، الحمدللہ! یہ ناکامی خود مسلمانوں کی کامیابی ہے۔ یہودیوں کو کوئی شواہد نہ ملنے میں مسلمانوں کا کیا قصور ہے؟ سبحان اللہ!

فرض کریں، اگر یہودیوں کو کوئی آثار ملے تو عمار صاحب آپ کا موقف کیا ہوگا؟ مجھے یقین ہے پھر تو یہودی جشن منائیں گے اور آپ بھی کہیں گے کہ ہیکل کے نشانات مل گئے۔ میرے خیال میں اس امر کو کوئی بھی بندہ سمجھ سکتا ہے، آپ جیسے دانشوروں سے حقیقت مخفی نہیں۔

☜ پہلے پہ دہلا یہ کہ عمار صاحب کا یہ دعویٰ بلکہ تقاضا ہے کہ

''خود فلسطین کے مسلم راہنماؤں نے اسرائیل کے وجود میں آنے اور بیت المقدس پر قبضہ سے قبل تک ان حقائق کو جھٹلانے کی جسارت کبھی نہیں کی۔'' (الشریعہ: مارچ ۲۰۰۷ء)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم راہنماؤں کا یہ تسلیم و اِذعان کہاں موجود ہے؟ یوں بھی کوئی

www.KitaboSunnat.com

فریق یا مالکِ مکان اس وقت تک مکان کی ملکیت کے دلائل جمع ہی نہیں کرتے جب تک کوئی منکر فریق سامنے نہ آئے۔ کیا کوئی آپ کے مکان پر دعویٰ کرنے سے قبل عدالت میں دعویٰ کر کے وکیل کھڑا کر کے اپنی ملکیت کے دلائل وشواہد پیش کریں گے۔ قابض حکومتِ اسرائیل کے وجود سے قبل مسلمانوں کو مسجدِ اقصیٰ پر اپنے حق تولیت ثابت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، اس طرح جس طرح اگر آپ آبِ صافی میں پتھر پھینک کر اُبال نہ لاتے تو پیشگی طور پر حافظ حسن مدنی وغیرہ کو اتنے دلائل لانے اور تردید کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ویسے اُنہوں نے یا کسی مقالہ نگار نے مسلمانوں کے حق تولیت میں دلائل دیئے تھے تو یہودیوں کے خلاف دیے تھے مگر ناراضگی آپ نے مول لی، **فیا للعجب العجاب!**

☜ آپ جانتے اور تسلیم کرتے ہوں گے کہ لفظ مسجد مسلمانوں کے لئے جبکہ بِیَع، کَنِیْسَة، اور مَعْبَد وغیرہ اصطلاحات یہود و نصاریٰ کے لئے ہیں۔ قرآن مجید بھی اسے ﴿اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی﴾ اور حدیثِ نبویؐ بھی: «لا تشدالرحال إلا إلی ثلاثة مساجد : ..... المسجد الأقصٰی» کے لفظ سے ہی ذکر کرتے ہیں۔

ساری اُمت بھی مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کا حقدار مسلمانوں کو ہی سمجھتے ہیں تو بالآخر آپ کو اور کیا چاہئے؟ آپ کا سارا اِصرار اجماع واتفاق کو توڑنے میں ہے اور آپ کو شاذ وخلافِ اجماع معمولی سی باتوں میں بڑا لطف آتا ہے۔ آپ جیسی فہم وفراست سے اللہ تعالیٰ ہی ہمیں بچائے۔ ہمیں ہماری اپنی حالیہ ناسمجھی پر ہی کفایت ہے: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾

☜ جہاں تک حسن مدنی صاحب کا تعلق ہے کہ اُنہوں نے لکھا کہ

''مسجدِ اقصیٰ کے احاطے میں بہت سے حصے خالی ہیں، وہاں وہ قبہ بھی ہے جس کے بارے میں کوئی شرعی فضیلت نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ یہود قبہ صخرہ پر کوئی تصرف کرنے کی بجائے سارا زور مسجدِ اقصیٰ پر دے رہے ہیں۔'' (محدث: مارچ ۲۰۰۷ء)

واقعی طور پر بظاہر اس عبارت سے تسلیم و اِذعان کی تصویر دکھائی دیتی ہے لیکن جب مدنی صاحب نے اس کے بعد کئی مضامین کے ذریعے اس کی وضاحت کردی کہ میرا مدعا وہ ہرگز

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے جو عمار صاحب نے اخذ کیا ہے بلکہ یہ تو یہود کے لئے ایک الزامی اور علیٰ سبیل التنزل للخصم کے طور پر ہے جیسے قولہ تعالیٰ: ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ سے کیا نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ سے شرک ثابت کردیا جائے۔ اس طرح ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾ وغیرہ سینکڑوں قرآنی ونبویؐ نصوص ہیں ۔ یوں بھی روزمرہ کے محاورے میں یہ طریقہ غیر معروف نہیں ہے۔ بہرطور کوئی صاحبِ متن ہی اپنی بات کو دوسروں سے بہتر سمجھ سکتا ہے۔

أهل مكة أدرى بشعابها !! اور أهل البيت أدرى بما فيها !!

⑥ دلچسپ امر یہ ہے کہ عمار صاحب بھی احاطہ ہیکل کے اندر کے بعض حصے کو یقینی طور پر اس کی بنیاد معلوم نہ ہونے کے باوجود مسجدِ اقصیٰ ہی قرار دیتے ہیں۔ نیز حالیہ مسجد کو 'توسیعی طور پر' مسجدِ اقصیٰ ہی کی فضیلت دے چکے ہیں تو ہمارے خیال میں آپ بھی اُمت کے اجماعی موقف میں لاشعوری طور پر شریک ہیں۔ اگر یہ مسجد ہماری نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو کیوں لے جاتے؟ کیا یہودیوں کے ساتھ مخصوص مرکزِ عبادت میں مسلمانوں کے لئے نماز پڑھنے کو افضل قرار دینا اس حوالے سے کچھ وزن رکھتا ہے کہ یہ مرکز عبادت خود مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں نہ ہو۔ اس تسلیم کے بعد کیا یہود اس میں گھسنے دیں گے۔

عمار صاحب سے یہ بھی سوال ہے کہ اگر یہودی اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہیں تو ہمیں بھی اقامتِ ہیکل کی فنڈنگ مہم میں حصہ تو نہیں لینا پڑے گا؟ .....

إذا كنت لا تدري فتلك مصيبة وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

عمار وہم نوا کے اس اُصول ونظریہ کے مطابق آج وشواہندو پریشد ودیگر تنظیمیں بابری مسجد ودیگر مساجد کو اس بنا پر گرا دیں کہ یہاں ہمارے رام پیدا ہوئے تھے اور بفرضِ محال کوئی کافر کعبہ مکرمہ پر قبضہ کرنے کے لئے آئے کہ یہاں کسی زمانے میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کا راج تھا تو شاید مسلمانوں کو مزاحمت کرنے پر عمار صاحب ان کو تکذیب آیات اللہ قرار دیں گے۔ ع کفر چوں برکعبہ خیزد کجا مسلمانی

بالآخر کعبہ تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے بنایا ہے۔ کیا اُن کی اولاد صرف مکہ والے

www.KitaboSunnat.com

مسلمان ہی ہیں، یا صرف مسلمانوں ہی کے نزدیک وہ محترم شخصیت ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی وہ محترم شخصیت ہیں۔ اگر وہ بھی دعویٰ کریں تو عمار صاحب کیا فرمائیں گے؟

کیا عمار صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ بیک وقت پوری اُمت گمراہی پر ہو اور صرف ایک شخص غیر نبی حق پر ہوسکتا ہے۔ لا تجتمع أمتی علی ضلالة

⑦ خطوط و مراسلات سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ جناب حسن مدنی صاحب و دیگر ہم نوا آدابِ اختلاف کو سمجھتے ہیں اور زبان سے کوئی وقار کے منافی بات نہیں نکالتے۔ مگر عمار صاحب و دیگر اشراقی حضرات اپنے مؤدّب ہونے کے دعویٰ کے باوجود اختلافی بات یا رائے سننے پر آپے سے باہر ہوجاتے اور اپنے دعویٰ کو خود توڑ ڈالتے ہیں۔ الشریعہ کے شمارے خصوصاً شمارۂ اپریل اس کے گواہ ہیں۔ یہ حضرات اور ان کا نمائندہ لٹریچر صرف اپنے آپ کو مہذب، فاضل، عالم اور مدبر جبکہ پوری اُمت کو جاہل، ناداں اور ناسمجھ قرار دیتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی پھبتیاں کستے ہیں۔ روایت پسند، قدامت پرست وغیرہ کے الفاظ ان کے زبان زد ہیں۔ احادیثِ نبویہؐ کے سرمایہ اور اقوالِ سلف کو خس و خاشاک کے ڈھیر، اختلاف و افتراق کا شاخسانہ، من گھڑت قرار دینا اب کوئی نئی اور غیر معروف بات نہیں رہی جس کی مثالیں ماہنامہ 'طلوعِ اسلام'، 'اشراق' اور ظفر اقبال خان کے 'اسلامائزیشن' جیسے لٹریچروں میں عام مل جاتی ہیں۔

ہاں قرآنِ کریم کی آیات کا سہارا تحریف و تاویل کے بعد بھی نایاب ہوجائے تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ احادیث کا سہارا لیتے ہیں بلکہ فقہاء و سلف کے غیر معروف اقوال اور ضعیف احادیث تک بھی اپنی مطلب براری کے لئے پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ ہدایت پر استقامت دے اور اُمت کے ذہین و فطین حضرات کو شاذ آرا و اقوال پر ڈٹ جانے کی بجائے صحیح فہم و فراست سے نوازے۔

إنك لاتهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء ! والسلام

عبدالرحیم وارثی، غواڑی

۲۶/اپریل ۲۰۰۷ء بلتستان، شمالی علاقہ جات

www.KitaboSunnat.com

نقطہ نظر

ابوالحسن علوی

مذہبی انتہا پسندی اور اس کے عملی مظاہر

اسلام ایک معتدل ومتوازن دین ہے جو میانہ روی کو پسند کرتا جبکہ غلو اور انتہا پسندی کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت میں جابجا ایسی تعلیمات موجود ہیں جو اعتدال وتوازن کا سبق دیتی ہیں۔ مثلاً 'انفاق' کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

''اور اللہ کے بندے جب خرچ کرتے ہیں تو اِسراف نہیں کرتے اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں اور میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔'' (الفرقان: ٦٧)

اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ (لقمان: ١٩)

''اور تو اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔''

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (الاسراء: ٢٩)

''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھے رکھ (یعنی بخل کر) اور نہ تو اس کو بالکل ہی کھول دے (یعنی اسراف کرکے) پس تو (بعد میں) ملامت زدہ، تھکا ہارا بیٹھا رہ جائے گا۔''

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾

''اور نہ آپ اپنی (قراءت) کو نماز میں بلند کریں اور نہ اس کو پست کریں اور اس دونوں کا درمیانی راستہ تلاش کریں۔'' (الاسراء: ١١٠)

کتاب وسنت میں غلو کی ممانعت

جس طرح قرآن وسنت میں اعتدال ومیانہ روی کی تعلیمات موجود ہیں، اس کے ساتھ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ انتہا پسندی اور 'غلو' سے منع بھی کیا گیا ہے۔ قرآن میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں باقاعدہ 'غلو' یعنی انتہا پسندی کا نام لے کر اس سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾

''اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں سوائے حق بات کے کچھ نہ کہو'' (النساء:۱۷۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (المائدۃ:۷۷)

''اے نبی ﷺ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو''

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی کسی بھی معاملے میں، چاہے وہ نیکی کا ہی کیوں نہ ہو، انتہا پسندی کے بالمقابل اعتدال وتوازن کو اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

عن أنس أن نفرا من أصحاب النبي ﷺ سألوا أزواج النبي عن عمله في السر. فقال بعضهم: لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم: لا أنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال: «ما بال أقوام قالوا: كذا وكذا لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوَّج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني» (صحیح مسلم:۱۴۰۱)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے آپؐ کی بعض ازواج سے آپؐ کے گھر کے معمولات کے بارے میں پوچھا۔ پھر ان صحابہؓ میں سے ایک نے کہا: میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ تیسرے نے کہا: میں کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا۔ (آپؐ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپؐ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے) پس آپؐ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور کہا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، وہ ایسی باتیں کر رہے ہیں جبکہ میں (اللہ کا رسول ﷺ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں (نفلی) روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہیں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«هلك المُتنطِّعون قالها ثلاثا» (صحیح مسلم:۲۶۷۰)

www.KitaboSunnat.com

’ متنطعون ہلاک ہوگئے، متنطعون ہلاک ہوگئے، متنطعون ہلاک ہوگئے۔‘‘

امام نووی متنطعون کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المتعمقون الغالون المجاوزون الحدود فی أقوالهم و أفعالهم

’’وہ لوگ جو اپنے اقوال وافعال میں حد سے بڑھنے اور غلو کرنے والے ہیں۔‘‘

(شرح صحیح مسلم:۴۸۲۳)

مذہبی انتہا پسندی☆ کی تاریخ

انتہا پسندی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی حضرت انسان کی عمر ہے۔ چنانچہ قرآن نے قدیم آسمانی مذاہب یہود ونصاریٰ میں پائے جانے والے ’غلو‘ کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ اس سے سختی سے منع بھی فرمایا۔اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی قوم اللہ کے دیے ہوئے دین میں ’غلو‘ کا شکار ہوتی ہے تو اس دین کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے۔مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کی دشمنی میں ’غلو‘ کرتے ہوئے اُنہیں ولد الزنا، جادوگر اور واجب القتل قرار دیا اور اپنے گمان میں ان کو قتل بھی کر دیا، معاذ اللہ۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں عیسائیوں نے ان کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہوئے اُلوہیت کے درجے پر فائز کر دیا جبکہ اسلام نے ان دونوں مذاہب کے برعکس حضرت عیسیٰؑ کی ذات کے بارے میں ایک معتدل موقف پیش کیا ہے جو سورۂ مریم کی ابتدائی آیات میں موجود ہے۔

سابقہ آسمانی مذاہب کی طرح اُمتِ مسلمہ بھی ’غلو‘ اور انتہا پسندی کا شکار ہوئی۔ رسالت مآب ﷺ کے دور میں ہی بعض اشخاص کی طرف سے جب نیکی میں ’غلو‘ کا مظاہرہ کیا گیا تو آپؐ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور اس سے روکا جیسا کہ تین اصحاب کا واقعہ اوپر ہم بیان کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آپؐ نے اپنی پیش گوئیوں میں مسلمانوں میں آئندہ بعض متشدد، متعصب اور انتہا پسند گروہوں کی نشاندہی کی اور ان کی بعض صفات بھی بیان کیں۔آپؐ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق خلافتِ راشدہ میں ہی ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جو حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی باہمی لڑائیوں کی وجہ سے ان دونوں حضرات صحابہؓ اور ان کے ساتھیوں کو کافر قرار دے کر واجب القتل سمجھتا تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یسیر بن عمروؒ نے سہل بن

☆ انتہا پسندی مذہبی بھی ہوتی ہے اور غیر مذہبی بھی، اس وقت ہمارے پیش نظر مذہبی انتہا پسندی ہے۔ غیر مذہبی انتہا پسندی کی مثال فرانس میں مسلمان عورتوں کے لیے اسکارف اوڑھنے پر پابندی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

حنیفؓ سے سوال کیا کہ کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے خوارج کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا:

سمعته يقول وأهوٰى بيده قبل العراق يخرج منه قوم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الإسلام مروق السهم من الرمية

''میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ آپؐ نے عراق کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ اسلام سے اتنی تیزی سے نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکلتا ہے۔'' (صحیح بخاری:۶۹۳۴)

خوارج کی نیکی، خلوص، تقویٰ اور للّٰہیت میں کسی کو کلام نہیں۔ تاریخی روایات میں ملتا ہے کہ یہ لوگ بہت کثرت سے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ان کی اس صفت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس گروہ کے تقویٰ کا اندازہ ان کے اس عقیدے سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق یہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں۔ بھلا وہ شخص جس کا یہ عقیدہ ہو کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے ایک شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کیا وہ کبھی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا؟ لہٰذا خوارج جن کی نیکی اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا یہ عالم ہو، ان کو حضرت سہل بن حنیفؓ نے آپؐ کی اس حدیث کا مصداق قرار دیا ہے۔ اسلئے جس گروہ یا جماعت میں نیکی، خلوص، تقویٰ اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ تو ہو لیکن قرآن وسنت کا علم ناقص ہو تو ایسا گروہ اور جماعت عموماً دین میں 'غلو' کا شکار ہو جاتی ہے۔

شیعہ سنی انتہا پسندی کے عملی مظاہر

ٹھوس تاریخی تجزیے پر علمی اختلاف کرنا اور تحقیق میں آزادی کی روش اختیار کرنا ایک معاشرے کے شعوری ارتقا اور روحانی ترقی کے لیے از بس ضروری ہے۔ جہاں علمی اختلاف کو تعصب کا رنگ دے کر کفر کے فتوے لگائے جائیں اور معاملہ قتل و غارت تک پہنچ جائے، اسی طرح آزادئ اظہار اور حریتِ فکر کو مختلف حربوں سے دبا دیا جائے تو ایسا معاشرہ افتراق وانتشار کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ وسنی مکالمہ ہو یا بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے درمیان بحث و مباحثہ، اسے صرف علمی مباحثہ و مکالمہ تک ہی محدود رہنا

www.KitaboSunnat.com

چاہیے اور اس کی بنیاد پر تشدد کی کوئی پالیسی اختیار کرنا یا اپنی اجتہادی آرا کو دوسروں پر جبراً ٹھونسنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے جو پورے اسلامی معاشرے کے لیے شدید نقصان دہ ہے۔

لیکن حالیہ دنوں کچھ خبریں، بعض اخبارات میں نظر سے گزریں تو ان کو پڑھ کر افسوس ہوا۔ تفصیلات کے مطابق جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے ساتھ جامعہ حفصہ والے قضیہ کے تناظر میں 'معروف ومنکر' کے موضوع پر ایک علمی مذاکرہ جیو ٹی وی پر 'غامدی' نامی پروگرام میں پیش ہوا جس میں جامعہ حفصہ پر گفتگو کے دوران سیدنا حسینؓ کا یزید کے خلاف خروج کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا۔ مذاکرہ میں شریک بعض حضرات نے سیدنا حسینؓ کے خروج کے حوالے سے یہ موقف پیش کیا کہ سیدنا حضرت حسینؓ کا یزید کے خلاف خروج تو برحق تھا لیکن دنیاوی طور پر بظاہر یہ خروج نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکا۔ مذاکرے میں اگرچہ سیدنا حضرت حسینؓ کے خروج کے برحق یا ناحق ہونے کی بحث نہیں ہو رہی تھی بلکہ اصل بحث صرف واقعاتی تھی کہ حضرت حسینؓ کے اس خروج کے لیے کوفہ اور اہل کوفہ کے حالات سازگار تھے یا نہیں؟ تو اس پر شرکاے مذکراہ میں سے ایک صاحبنے کہا کہ کوفہ اور اہل کوفہ کے حالات اس وقت سازگار نہیں تھے۔ چنانچہ سیدنا حسینؓ سے اس معاملے میں تدبیری عجلت ہوئی کہ اُنہوں نے کوفہ کے حالات کو سازگار سمجھا۔ بعد میں اس موقف کی مزید وضاحت مع معذرت جیو ٹی وی نے انہی دنوں ان صاحب کی طرف سے بھی نشر کی، جو یہ تھی کہ

''میں سیدنا حسینؓ کو نوجوانانِ جنت کا سردار مانتا ہوں اور ان کی ادنیٰ توہین وتحقیر کو موجبِ کفر وضلالت سمجھتا ہوں۔ پروگرام میں میری گفتگو سے جو مغالطہ پیدا ہوا، اس سلسلے میں میرا مقصود صرف اتنا تھا کہ شہادتِ حسین کا باعث دراصل وہ لوگ بنے جو اُنہیں کوفہ بلانا چاہتے تھے۔ یہ سارے لوگ درحقیقت قابل اعتماد نہ تھے، ورنہ سیدنا حسین کا اِقدام بالکل برحق تھا اور ان کی شہادت ایک مظلومانہ شہادت ہے.....

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد!''

اس کے باوجود بعض جذباتی شیعہ حضرات کی طرف سے جس ردّعمل کا مظاہرہ ہوا، وہ واقعتاً قابل تعجب بھی ہے اور قابل افسوس بھی۔ ہم اس پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے اس ردعمل کی چند جھلکیاں قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

نجی ٹی وی پر امام حسینؓ کی توہین کے خلاف جامعۃ المنتظر اور آئی ایس او کا مظاہرہ:

''جیو ٹی وی کے پروگرام 'غامدی' میں نواسۂ رسول ﷺ حضرت امام حسینؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کرنے پر جامعۃ المنتظر کے اساتذہ اور امامیہ سٹوڈنٹ آرگنائزیشن سے تعلق رکھنے والے مظاہرین نے جناب جاوید غامدی اور جیو ٹی وی کے خلاف مظاہرہ کیا۔ اُنہوں نے جیو ٹی وی اور جناب جاوید غامدی کے خلاف شدید نعرے بازی کی اور کہا کہ جیو ٹی وی استعماری ایجنٹ نہ بنے۔ مظاہرین نے کہا کہ جاوید غامدی امریکہ کا ایجنٹ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ پروگرام نشر ہونے سے تین روز قبل ریکارڈ کیا گیا تھا اور سنسر وغیرہ کے مراحل کے بعد عمداً نشر کیا گیا جس سے مذکورہ چینل کی بد نیتی واضح ہوتی ہے۔ اُنہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اس ناقابل معافی جرم کے ارتکاب پر ذمہ داران کے خلاف سخت کاروائی کرے۔'' (روزنامہ 'ایکسپریس': ۳۰/اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۸)

جعفریہ الائنس کے تحت جیو ٹی وی کے خلاف ہونے والی احتجاجی ریلی کے شرکا نے لوئر مال احتجاجاً بند کر دی۔ یزیدیت، جیو ٹی وی اور غامدی وغیرہ کے خلاف شدید نعرے بازی کی گئی۔ جیو ٹی وی پر عارضی پابندی اور غامدی پروگرام کو فوری بند کرنے اور متہم صاحب سمیت 'جیو' کے سرکردہ ذمہ داروں کے خلاف مقدمہ چلا کر پھانسی کی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ جیو چینل اس بیان کی تردید کرے اور غامدی کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔

(روزنامہ ایکسپریس: ۲/مئی ۲۰۰۷ء، ص ۱)

علاوہ ازیں جیو ٹی وی اور جناب جاوید احمد غامدی کو ٹیلی فون کالز کے ذریعے قتل وغیرہ کی دھمکیاں بھی دی گئی مثلاً جاوید احمد غامدی صاحب کے بیٹے جناب معاذ احسن غامدی کو مظفر حسین نامی ایک شخص نے ایک ٹیلی فون کال میں کہا:

''میرا نام مظفر حسین ہے اور میں فخر سے جہنم میں جاؤں گا کیونکہ میں اس شخص کو قتل کروں گا جس نے نواسۂ رسولؐ کی توہین کی ہے۔''

ان مظاہروں میں مذکورہ بالا موقف (جس میں غامدی صاحب کا 'معروف ومنکر' کے بارے میں موقف بھی شامل ہے) کے خلاف ایسا ردِعمل شیعہ حضرات کی انتہا پسندی ہے،

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اگر مسئلہ صرف یہ ہے کہ بعض حضرات تاریخی تجزیے میں سیدنا حضرت حسینؓ کو شرعی طور پر برحق قرار دینے کے باوجود تدبیری حیثیت سے معصوم نہیں مانتے، جیسا کہ شیعہ کا اپنے ۱۲/ائمہ کے بارے میں عقیدہ ہے تو تدبیری رویوں میں عدمِ عصمت کا عقیدہ (انبیا کے علاوہ) تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تو بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث سب مسالک کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا مظاہرہ کرنے والے شیعہ حضرات پاکستان کی ۸۲ فیصد سنی اکثریت کے لیے حکومت سے پھانسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

ایک طرف تو یہ شیعہ حضرات کا یہ مطالبہ ہے تو دوسری طرف خود شیعہ علما کی ایسی سینکڑوں کتب، تقاریر اور سی ڈیز بھی موجود ہیں جن میں اکابر حضرات صحابہؓ پر طعن کیا جاتا ہے:

ایک دفعہ مجھے معروف شیعہ واعظ علامہ طالب جوہری کی براہِ راست تقریر سننے کا موقعہ ملا جس میں صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہا گیا تھا جو کہ اہل سنت کے عقیدے کے سراسر خلاف ہے۔ اس پر ایسے شیعہ حضرات سے یہ سوال ہے کہ کیا اس موقعہ پر اگلے دن اہل سنت کے کسی مدرسے کے پانچ چھ سو طلبا کو اکٹھا کر کے کوئی مظاہرہ کر دینا چاہیے تھا جس میں یہ مطالبہ ہوتا کہ علامہ طالب جوہری شاتم صحابہؓ ہے اور اس کو سرعام پھانسی دی جائے؟

◉ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود شیعہ علما وفقہا میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عصمتِ امامؑ کے قائل نہیں ہیں۔ معروف ایرانی شیعہ فقیہ اور عالم دین علامہ موسیٰ الموسوی لکھتے ہیں:

''لیکن عصمت درحقیقت امام کے حق میں نقص کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں کوئی مدح نہیں ہے کیوں کہ شیعی مفہوم کے مطابق عصمت کا معنی یہ ہے کہ ائمہ اپنی ولادت سے لے کر وفات تک اللہ تعالیٰ کے ارادے سے اس کی کسی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں خیر کو شر پر فضیلت وترجیح دینے کا ارادہ مفقود تھا۔ میں نہیں جانتا کہ جب کوئی شخص ایسے ارادے کی بدولت جو اس کی ذات سے خارج ہے، برائی کرنے پر قادر ہی نہیں ہے 'کونسی قابل فخر عصمت' ہے؟ ہاں اگر عصمت کا یہ مطلب ہو کہ ائمہ گناہ کرنے پر قادر ہونے کے باوجود عالی نفسی، اخلاق میں قوی ملکہ اور رکاوٹ کی بنا پر ہرگز نافرمانی نہیں کرتے تو یہ بات معقول اور عقل ومنطق سے مطابقت رکھتی ہے لیکن اس صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قوتِ نفس معدودے چند اشخاص کے ساتھ خاص ہے یا صرف ہمارے ائمہ کے ساتھ خاص

www.KitaboSunnat.com

ہے بلکہ یہ ایسی صفت ہے کہ جس کے ساتھ ہر انسان متصف ہوسکتا ہے بشرطیکہ حدوداللہ کی پابندی کرے، اس کے اَوامر کی فرمانبرداری کرے اور اس کے نواہی سے باز رہے۔''

('اصلاحِ شیعہ' ترجمہ الشیعة والتصحیح: ص۱۴۵، ۱۴۶)

معاذ احسن غامدی صاحب کو بعض شیعہ حضرات کی طرف سے جو قتل کی دھمکیاں ملیں، یہ بھی مناسب طرزِ عمل نہیں۔ ہمارے خیال میں اس سے ایک نئی سپاہِ صحابہؓ تو جنم لے سکتی ہے لیکن کوئی افہام وتفہیم ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ غامدی صاحب کا بھی ایک ادارہ اور ان کے سامعین کا ایک حلقہ ہے۔ مذاکرے میں شریک دوسرے حضرات سنی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور ضرور ان کا کسی نہ کسی سنی مدرسے سے تعلق بھی ہوگا، ان کے پیچھے ایک بڑی سیاسی مذہبی جماعت اسلامی اور اہل سنت کا پورا مسلک ہے تو اس قسم کے پیغامات کا نتیجہ سوائے دو گروہوں اور جماعتوں میں کشیدگی بڑھانے کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔ ماضی میں ہم دیکھتے رہے ہیں کہ یہی انتہا پسندی تھی جس نے خود شیعہ اور اہل سنت کو بہت سے جلیل القدر اکابر علما سے محروم کر دیا۔

یاد رہے کہ شیعہ کو اس ملک میں اپنے مذہب پر عمل اور اس کی تبلیغ واشاعت کی ہر طرح اجازت ہے۔ ہمارے ملک میں فوج ہو یا پولیس، ہر دو محکموں میں بڑی بڑی پوسٹوں پر زیادہ تر شیعہ حضرات موجود ہیں۔ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا، اس پر بھی شیعہ چھائے ہوئے ہیں بلکہ الیکٹرونک میڈیا خصوصاً فلم انڈسٹری کا تقریباً ۸۰ فیصد کردار شیعہ کے پاس ہی ہے۔

'شیعہ انفلوئنس' کی صورتحال تو یہاں تک ہے کہ رمضان کے مہینے میں پی ٹی وی پر ڈرامے چلتے رہیں گے لیکن محرم شروع ہوتے ہی سوائے شیعہ علما کی تقاریر ومجالس عزا کے سب کچھ ٹی وی سے غائب ہو جاتا ہے۔ یومِ عاشورا پر حکومت کی طرف سے ایک کی بجائے دو چھٹیاں ہوتی ہیں۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے زکوٰۃ کی کٹوتی سے شیعہ حضرات مستثنیٰ ہیں۔ ہم شیعہ کو دی جانے والی ان تمام مراعات کے خلاف تو نہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب شیعہ علما ایک 'اقلیت' ہونے کے باوجود پاکستان میں اپنے عقائد کے اظہار کے لیے اس قدر مواقع، ذرائع اور وسائل سے مستفید ہو رہے ہیں اور وہ ان کو بھرپور طریقے سے استعمال بھی کرتے ہیں تو پھر ان کی طرف سے اہل سنت پر اپنے عقائد کے اظہار کے لیے اتنی سختی کیوں .....؟

www.KitaboSunnat.com

ایکسپریس اخبار نے تین دن شیعہ حضرات کے حالیہ مظاہروں کی خبر شائع کی۔ ایک دن آخری صفحہ پر جبکہ دو دن پہلے صفحہ پر، اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ ایک مظاہرے میں شرکت کی جو تصویر مذکورہ اخبار نے شائع کی، اس میں پندرہ بیس سے زائد افراد موجود نہیں تھے لیکن خبر میں سینکڑوں افراد کے مظاہرے کی بات کر کے اس مسئلے کو بلا وجہ اُچھالنے کی کوشش کی گئی۔ ایک روزنامہ اخبار نے اس چھوٹے سے مسئلے کو جس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس کو کوریج دی، اس سے بھی بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ پرنٹ میڈیا پر شیعہ کا کتنا کنٹرول ہے؟

جیو ٹی وی کو مختلف شیعہ حضرات کی طرف سے مسلسل ٹیلی فون کروائے گئے اور دھمکیاں دی گئیں جس پر جناب غامدی صاحب اور دیگر حضرات کے معذرتی بیانات بھی جیو نے نشر کیے لیکن ان معذرتی بیانات کے نشر ہونے کے دو روز بعد بھی سیالکوٹ میں شیعہ حضرات کی طرف سے ایک مظاہرہ ہوا جو قابل افسوس امر ہے۔ اسی قسم کا واقعہ کچھ عرصہ پہلے روزنامہ 'دن' کے ساتھ بھی ہوا کہ ایک عرب عالم کے ترجمہ شدہ کالم میں 'شیعہ قاتلانِ حسین' کے الفاظ شائع ہو گئے جس پر جامعہ منتظر میں ایک میٹنگ کے دوران یہ فیصلہ ہوا کہ روزنامہ 'دن' کے دفتر پر مسلح ہو کر حملہ کیا جائے اور اس کو آگ لگا دی جائے۔ بعد ازاں روزنامہ 'دن' نے اس ایڈیٹر (جس کی غفلت سے یہ جملہ شائع ہوگیا تھا) کو فارغ کر کے شیعہ انتہا پسندوں سے جان چھڑائی۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جن حضرات نے یہ مظاہرے کیے ہیں، ان میں ایک دو ہی بمشکل ایسے ہوں گے جنہوں نے 'غامدی' پروگرام بھی دیکھا ہوگا۔ بقیہ سارے تو اپنے واعظین کی اندھی تقلید میں مظاہرہ کرنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تشدد کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ اگر شیعہ حضرات یہ سمجھتے تھے کہ ٹی وی پروگرام میں کوئی غلط بات نشر ہوگئی ہے تو وہ اس کی علمی تردید کرتے، تاریخی حقائق کی روشنی میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی سرپرستی میں نشر ہونے والے موقف کا جواب دیتے جس سے مثبت انداز میں ایک علمی وفکری تحقیق آگے بڑھتی جس کا فائدہ ہر دو فریق کو ہوتا۔ پاکستان کی ماضی کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ تشدد اور انتہا پسندی کے نتائج سوائے دہشت گردی کے کچھ نہیں رہے۔ ہم شیعہ کے ساتھ ساتھ اہل سنت حضرات سے بھی یہ درخواست کرتے ہیں کہ اختلافات میں وہ بھی اعتدال و میانہ

www.KitaboSunnat.com

روی کی روش اختیار کریں اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے اور اظہارِ رائے پر قتل وغارت کی دھمکیاں دینے کی بجائے ایک علمی وفکری مکالمے کی فضا قائم کریں۔

یہاں یہ امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بعض معتدل ومتوازن شیعہ علما اور جماعتوں کو خراجِ تحسین پیش کریں جنہوں نے اپنے مذہب میں اصلاح اور مذہبی شدت پسندی کے خاتمہ کے لیے بہت سی قربانیاں دیں۔ان شیعہ علما میں معروف ایرانی عالم الامام الاکبر سید ابوالحسن الموسوی الاصفہانی① اور اُن کے پوتے ڈاکٹر موسیٰ الموسوی② کی کوششیں خاص طور پر قابل تعریف ہیں۔

علاوہ ازیں علامہ آیۃ اللہ شریعت سنغلجلی③ سید ابوالفضل آیۃ اللہ العظمی البرقعی④ الاستاذ علی الاکبر حکمی زادہ⑤ علامہ دکتور علی شریعتی⑥ علامہ نعمۃ اللہ صالحی نجف آبادی⑦ الاستاذ حیدر علی بن اسماعیل قلمداران⑧ السید مصطفیٰ الطبطبائی، علامہ احمد کسروی⑨ سید حسن الموسوی الکربلائی النجفی⑩ اور سید قاضی نیاز حسین نقوی⑪ وغیرہ جلیل القدر شیعہ علما کی کوششیں بھی خراجِ تحسین کے لائق ہیں۔ یہ حضرات نہ صرف اپنے مذہب کے مصلحین ہیں بلکہ شیعہ، سنی اتحاد اور مفاہمت میں بھی ان کا کام سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

شیعہ میں 'زیدیہ' فرقہ ایسا ہے جو کہ واقعتاً ایک معتدل اور متوازن فرقہ ہے اور اس وقت اس فرقے کے ایک کروڑ سے زائد پیروکار دنیا بھر میں موجود ہیں۔ ایران میں اکثر پڑھا لکھا طبقہ شیعہ کے اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے برعکس پاکستان میں انتہا پسندوں کا رویہ یہ ہے کہ پاکستان میں اہل سنت کے علما کی کئی ایسی کتابوں پر پابندی لگوائی جن میں واقعہ کربلا، شہادتِ حسینؓ یا صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعی عقائد کو بیان کیا گیا تھا۔ جن میں بالکل بے ضرر اور معتدل عظیم خطیب پاکستان

---

① بہت بڑے ایرانی شیعہ عالم اور فقیہ ہیں۔ ان کے علم کے بارے میں یہ قول شیعہ میں بڑا معروف ہے أنسٰی من قبله وأتعب من بعده (یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کو بھلوا دیا اور اپنے بعد والوں کو عاجز کر دیا) حالانکہ ان کی اصلاحی کوششوں کے جواب میں ایک متعصب شیعہ نے ان کے بیٹے کو نجف اشرف میں حضرت علیؓ کے مقبرہ کے احاطہ میں مغرب اور عشا کے درمیان دورانِ نماز بے دردی سے ذبح کر دیا تھا۔

② ۱۹۳۰ء میں 'نجف اشرف' میں پیدا ہوئے۔ وہیں سے 'اجتہاد' کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں طہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی .....

www.KitaboSunnat.com

حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑیؒ (م۱۹۶۲ء) کی کتاب 'شہیدِ کربلا' پر سب سے پہلے بیورو کریسی نے پابندی لگائی۔ علاوہ ازیں ان کتب میں علامہ احسان الٰہی ظہیر کی کتاب 'شیعہ اور تشیع' اور 'شیعہ اور اہل بیت' بھی شامل ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی کتاب

گزشتہ حاشیہ: ۱۹۵۹ء میں پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کیا۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک بغداد یونیورسٹی میں اقتصادِ اسلامی کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۸ء تک بغداد یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۴ء ہالہ یونیورسٹی جرمنی اور طرابلس یونیورسٹی لیبیا میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۶ء ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں ریسرچ سکالر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۷۸ء میں لاس اینجلس یونیورسٹی میں بھی وزٹنگ پروفیسر رہے۔ شیعہ کے عقائد و رسومات کی تصحیح پر کئی کتب لکھیں جن میں سے معروف کتاب الشیعة والتصحیح ہے جس کا اُردو ترجمہ 'اصلاحِ شیعہ' کے نام سے شائع ہوا۔ اُردو ترجمے پر پبلشر کا نام نہیں ہے جس کی بنیادی وجہ بھی شیعہ کا تعصب، انتہا پسندی اور دھمکی آمیز رویہ ہے جس کی وجہ سے اوّلاً تو کسی عالم کو حق بات کہنے کی جرات ہی نہیں ہوتی اور اگر کوئی اس جرات کا مظاہرہ کرتا بھی ہے تو اسے انتہا پسندی کے ڈر سے پبلشر کا نام دینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ حال ہی میں 'احمد الکاتب' کے ایک عربی مقالے کا ترجمہ 'شیعہ افکار ولایت سے لے کر شوریٰ تک' لندن سے شائع ہوا ہے جس میں اُنہوں نے شیعہ کے بارہویں امام، مہدی منتظر کی پیدائش کا تاریخی حقائق کی روشنی میں انکار کیا ہے کیونکہ پاکستان میں اس کی اشاعت کی گنجائش نہیں تھی۔

③ بہت بڑے ایرانی شیعہ عالم اور فقیہ تھے۔ ۱۹۴۳ء میں وفات پائی۔ شیعہ عقائد و نظریات میں اصلاح کی تحریک اُنہوں نے ہی شروع کی تھی اور شیعہ کی اصلاح کے لیے کئی کتب اور مقالات لکھے جن میں الاسلام والرجعة ایک معروف کتاب ہے جس میں اُنہوں نے شیعہ کے تصورِ امامت اور بارہویں امام مہدی منتظر کے بارے میں عام شیعہ عقیدے سے بالکل ہٹ کر ایک موقف پیش کیا۔

④ آیۃ اللہ العظمی البرقعی بن الحسن بن حجۃ الاسلام احمد بن السید رضی الدین بن السید یحییٰ بن مرزا بن یحییٰ بن میر حسن بن میر رضی الدین بن السید محمد بن میر فخر الدین بن میر حسن بن بادشاہ بن میر ابوالقاسم بن میر ابو الفضل بن پندار بن عیسیٰ بن ابی جعفر محمد بن ابی القاسم بن علی بن علی محمد بن احمد بن محمد الاعرج بن السید احمد بن موسیٰ المبرقع بن محمد الجواد۔ یہ اہل قم کے علما میں سے تھے۔ امام خمینی کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ شیعہ کے نزدیک درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ اُنہوں نے شیعہ کی اصلاح کے لیے کئی کتب لکھیں جس میں ان کی کتاب کسر الصنم بہت معروف ہوئی۔ امام ابن تیمیہؒ کی کتاب مختصر منهاج السنة النبوية کا فارسی میں ترجمہ بھی اُنہوں نے کیا۔

⑤ معروف ایرانی شیعہ عالم اور سکالر ہیں۔ 'اسرار ہزار سالہ' کے نام سے اصلاحِ شیعہ پر ان کی کتاب ہے۔

www.KitaboSunnat.com

'تحفہ اثنا عشریہ' کو پاکستان کی تمام پبلک لائبریریز سے غائب کروا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں انتہا پسندی کا شکار ہونے سے بچائے اور باہمی فروعی، فقہی اور اجتہادی اختلافات میں رواداری کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

---

⑥ معروف ایرانی عالم، مفکر اور فلسفی ہیں۔ ایرانی انقلاب میں ان کو وہی مقام حاصل ہے جو کہ علامہ اقبالؒ کو تحریکِ پاکستان میں تھا۔ ۱۹۷۸ء میں ان کی وفات ہوئی۔ التشيع العلوي والتشيع الصفوي کے نام سے شیعہ کی اصلاح کے لیے کتاب لکھی جس میں شیعہ کی اپنے ائمہ کی طرف منسوب جھوٹی روایات کی تردید کی ہے۔

⑦ ایران میں قم (اصفہان) کے معروف شیعہ علما میں سے ہیں۔ اُنہوں نے 'شہیدِ جاوید' کے نام سے واقعہ کربلا پر ایک کتاب لکھی۔ ان کی تردید میں ۱۳ بڑے شیعہ علما نے کتابیں لکھیں جن کا جواب اُنہوں نے اپنی ایک اور کتاب 'عصای موسی یا درمان بیماری غلوٗ میں دیا۔ یہ کتاب ایک ہی بار طبع ہوئی تھی، بعد میں حکومت ایران نے اس پر پابندی لگا دی۔

⑧ معروف شیعہ ایرانی عالم ہیں۔ اُنہوں نے شیعہ کی اصلاح کے لیے کئی کتب لکھیں جن میں سے الإمامة والولاية اور طريق النجاة من شر الغلاة معروف ہیں۔

⑨ معروف شیعہ ایرانی عالم ہیں۔ اُنہوں نے اپنی بنیادی اور انتہائی تعلیم ایران ہی سے مکمل کی۔ طہران یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے۔ ایران میں محکمہ قضا و عدل میں کئی مناصب پر فائز رہے۔ شیعہ کی اصلاح کے لیے کئی کتب لکھیں جن میں سے التشيع والشيعة معروف ہے۔ ان کو ان کے نظریات کی وجہ سے دو دفعہ متعصب شیعہ نے گولی ماری پہلی دفعہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی جبکہ دوسری دفعہ گولی اور ایک خنجر کا وار کیا گیا جس کے اثرات سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔

⑩ نجف کے معروف شیعہ عالم ہیں۔ امام خمینی کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ شیعہ کی اصلاح کے لیے لله ثم للتاريخ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔

⑪ تقریب المذاہب کے نام سے ایک سہ ماہی مجلّہ نکالتے ہیں۔ ان میں اگرچہ اتنی وسعتِ فکر تو نہیں ہے جتنی دیگر ایرانی شیعہ مصلحین میں ہے کہ یہ شیعہ کے عقائد و رسومات کی اصلاح کے لیے لکھیں لیکن بہرحال پاکستان میں پائے جانے والے شیعہ سنی فسادات کے حالات میں ایسے لوگ بھی غنیمت ہیں جو کم از کم بات کو سنتے ہیں اور شیعہ سنی مسائل کو مکالمے کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں حافظ صلاح الدین یوسف

مولانا حافظ قاری عبدالخالق رحمانیؒ

داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی اِک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ کی جدائی کا غم ابھی تازہ ہی تھا، جن کا انتقال دو روز قبل یکم دسمبر ۲۰۰۶ء کو ہوا کہ ۳ دسمبر ۲۰۰۶ء بروز اتوار قاری عبدالخالق رحمانی (کراچی) کی وفات حسرت آیات کی خبر صاعقہ بن کر گری اور امن وسکون کے خرمن کو خاکستر کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

قاری صاحب موصوف علما کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) کے فضلا پر مشتمل تھا۔ دارالحدیث رحمانیہ کی یاد اہل علم کو اس طرح تڑپاتی ہے، جیسے کلکتے کے ذکر پر کسی خاص وجہ سے غالب تڑپ اُٹھتا تھا، غالب نے کہا تھا ؎

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اِک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

دارالحدیث رحمانیہ کی یاد بھی اسی طرح روح فرسا، برق آسا اور دلوں کو مضطرب کردینے والی ہے۔ یہ مدرسہ دہلی میں، جبکہ شہرِ دہلی علم وحکمت کا مرکز اور علماء وفضلا کا مسکن تھا، اس کی بابت لکھنؤ جاکر میر تقی میر نے کہا تھا ؎

دلّی جو ایک شہر تھا ، عالم میں انتخاب
رہتے تھے جہاں منتخب ہی روزگار کے
اُس کو فلک نے لوٹ کر ویران کردیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

یہ اس ویرانی کا ذکر ہے جب مرہٹوں نے دہلی میں لوٹ مار کی انتہا کردی تھی۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے دہلی پر دوبارہ قبضے اور آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی رنگون

www.KitaboSunnat.com

جلاوطنی کے موقع پر دہلی میں پھر قتل و غارت ہوئی۔ پھر شدہ شدہ وہاں کی رونق بحال ہوگئی اور دلی ایک مرتبہ پھر علم و دانش کا گہوارہ بن گیا تھا۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں جیسے طبیب حاذق اور مسیحاے دوراں اپنی مسیحائی سے وہاں ایک دنیا کو فیض یاب کررہے تھے، پھاٹک حبش خاں میں محدث العصر شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی مسند علم و تدریس بچھی ہوئی تھی اور علم و عمل کے اس چشمہ صافی سے ایک دنیا سیراب ہورہی تھی اور مفتی کفایت اللہ جیسے اساطینِ علم مسندِ اِفتا پر فائز تھے۔ سیاست کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے عبقری افراد موجود تھے جن کی شرر بار تقریروں اور حکمت و دانش سے بھرپور مساعی سے پورا ملک (متحدہ ہندوستان) انگریز کے خلاف استخلاصِ وطن کے لئے متحرک تھا اور بانی پاکستان محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ پاکستان کے قیام کے لئے سرگرم تھی۔

انہی ایام میں دہلی میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ قائم تھا۔ دہلی کے ایک تاجر شیخ عطاء الرحمٰنؒ اس کے موسس اور بانی تھے۔ کہنے کو یہ ایک مدرسہ ہی تھا لیکن یہ ایسا مثالی مدرسہ تھا کہ اس کے بعد اس کے معیار کا دوسرا مدرسہ آج تک قائم نہیں ہوسکا۔ اس کے بے مثال ہونے کی وجوہات حسبِ ذیل تھیں:

① اس کے بانی کا بے پناہ اخلاص، جو اگرچہ صرف ایک تاجر تھے لیکن علماء وطلباے دین سے بے حد پیار کرتے تھے۔

② انتہائی قابل مدرسین کا اہتمام، مثلاً حافظ احمد اللہ صاحب دہلوی، مولانا نذیر احمد رحمانی املوی اور مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری جیسے حضرات وہاں مسندِ تدریس پر فائز تھے۔

③ حافظ عبداللہ محدث روپڑی جیسے مجتہد العصر اس کے ممتحن تھے۔

④ مدرسے کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن طلبا کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے اور انہی کی طرح ان سے شفقت فرمایا کرتے تھے۔

یہ اور ان جیسے دیگر اسباب وعوامل نے اس مدرسے کو ایک مثالی درس گاہ بنا دیا تھا۔ یہاں سے فارغ ہونے والے علما علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز مقام کے حامل تھے، جنہوں نے دینی

www.KitaboSunnat.com

علوم کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ تقریر و خطابت کے میدان میں، تدریس و افتا کے میدان میں، تصنیف وتالیف اور تعلیم وتربیت کے میدان میں، ہر جگہ اُنہوں نے اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑے اور اپنے علم وفضل کا سکہ منوایا۔ اس کے فضلا دارالحدیث رحمانیہ کی مناسبت سے 'رحمانی' کہلواتے تھے۔

قاری صاحبؒ بھی اسی مدرسے کے فیض یافتہ تھے۔ فراغت کے بعد آگرہ وغیرہ میں مسندِ تدریس اور منصبِ شیخ الحدیث پر فائز رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصہ حیدر آباد سندھ میں قیام پذیر رہے۔ وہاں تجارت کو ذریعہ معاش بنایا، پھر کراچی آ گئے، یہاں بھی ذریعہ معاش تجارت ہی رہا اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر وخطابت میں بڑا نام پیدا کیا۔

قاری صاحبؒ خطابت کے لحاظ سے بے مثال تھے، اللہ تعالیٰ نے تقریر و خطابت کا بڑا عظیم ملکہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان کی تقریر فصاحت و بلاغت کا ایک نادر نمونہ ہوتی تھی۔ اس اعتبار سے وہ پاک و ہند میں ایک نہایت ممتاز اور منفرد مقام کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حسنِ صوت کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ قرآنِ کریم کی تلاوت نہایت دل نشین انداز سے فرماتے تھے۔ ان کی تقریر میں ایک طرف فصاحت و بلاغت کا دریاے بے کراں رواں ہوتا، تو دوسری طرف وجد آفرین تلاوت سے سامعین مسحور ہوتے۔ گویا ان کی تقریر فصاحت و بلاغت اور حسنِ تلاوت کا ایک حسین امتزاج ہوتی تھی جو سامعین پر ایک وجد اور سحر کی سی کیفیت طاری کر دیتی تھی۔

رمضان المبارک میں نہایت باقاعدگی سے تراویح میں قرآن سناتے تھے۔ تراویح میں آپ کی قراءت کی روانی، حسن مخارج اور حسن صوت نہایت مسحور کن ہوتا، زبان و بیان کی تعبیرات اس کو الفاظ میں سمیٹنے سے قاصر ہیں۔

تقریر وخطابت اور حسن قراءت میں یکتاے زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم میں نہایت پختہ تھے۔ اس کی ایک وجہ ایامِ جوانی میں مسندِ تدریس سے وابستگی تھی۔ دوسری وجہ، آپ ایک نامور محدث کے فرزندِ گرامی تھے اور مشہور مقولہ ہے: الولد سر لأبیه

''اولاد باپ ہی کی رازداں ہوتی ہے۔'' یعنی اولاد اپنے والد کا پرتو عکس ہوتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

آپ مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلویؒ کے فرزندِ گرامی تھے۔ محدث کھنڈیلوی، جن کی ساری عمر حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزری، جماعت کے سربرآوردہ علماء ومحققین میں سے تھے۔ ان کی علمی یادگاروں میں التبیان في زیادة الإیمان (عربی) اور 'خاتمہ اختلاف' (اُردو) کے علاوہ صحیح بخاری پر ایک فاضلانہ مقدمہ ہے جو غیر مطبوع ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اوکاڑہ میں شیخ الحدیث رہے اور وہیں آسودۂ خواب ہیں، رحمة الله رحمة واسعة

ایک المیہ

قاری عبدالخالق رحمانیؒ صاحب تجارت وکاروبار کی وجہ سے خاصے خوش حال تھے۔ علاوہ ازیں علمی اعتبار سے بھی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے اور یہ دونوں ہی چیزیں ان کے لئے ایک المیے کا باعث بنی رہیں۔ جیسے کسی نے کہا ہے ع

اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی

''اے روشنی طبع! تو میرے لئے ہی آزمائش بن گئی ہے۔''

اس کی مختصر تفصیل حسبِ ذیل ہے:

کراچی میں مدارس ومساجد کے منتظم بالعموم وہ لوگ ہیں جو اصحابِ حیثیت ہیں اور یہ کوئی بُری بات نہیں۔ لیکن اس میں اس وقت خرابی آجاتی ہے جب وہ دولت کے گھمنڈ میں علماء و مدرّسین کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ ہوں اور 'ہم چوما دیگرے نیست' کے زعم باطل میں مبتلا ہوجائیں۔ کراچی کے اکثر منتظمین مدارس ومساجد اہلحدیث میں یہ چیز پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ علما کو قرارِ واقعی اہمیت نہیں دیتے اور جب بھی کوئی بات ان کی طبیعت کی گرانی یا ناگواری کا باعث بنتی ہے، تو وہ بہ یک بینی و دوگوش علما کو مدرسہ ومسجد سے نکال باہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔

قاری صاحبؒ کی طبع خوددار کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی، اس لئے اُن کی ان لوگوں کے ساتھ اَن بن سی رہتی تھی اور وہ خاموشی کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی شہر کی کسی بھی بڑی مسجد میں وہ بطورِ خطیب یا منتظم نہیں رہے اور شہر

www.KitaboSunnat.com

سے باہر شیر شاہ کی جان لیس فیکٹری کی مسجد میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے اور رمضان المبارک میں قرآن مجید بھی وہیں سناتے رہے، حالانکہ وہ اپنے وقت کے بے مثال اور عظیم خطیب تھے، اسی طرح بے مثال قاری بھی تھے۔ لیکن اصحابِ حیثیت، منتظمین مدارس و مساجد نے ان کی قدر نہیں کی اور ان کی حیثیت کے مطابق ان کو ان کا مقام و مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ادھر قاری صاحب مرحوم بھی بقول غالب ع

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

پر عمل پیرا رہنے پر مجبور تھے یا یوں کہہ لیجئے:

واں وہ غرورِ عزو ناز، یاں یہ حجابِ پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں

ہوسکتا ہے اب قاری صاحب کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اُنہیں احساس ہو رہا ہو کہ ہم کس گوہر یکتا اور گنج گراں مایہ سے محروم ہوگئے ہیں۔ اسی قسم کی صورت حال کے لئے شاعر نے کہا تھا۔

اسے ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مرگئے ہم ، تو زمانے نے بہت یاد کیا

اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل عمر عطا فرمائی۔ اندازہ ہے کہ ۹۰ سے متجاوز ہی ہوں گے، چند سال قبل شدید بیمار ہوئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صحت سے نواز دیا اور پھر پہلے کی طرح متحرک اور سرگرم ہوگئے تھے۔ طبیعت باغ و بہار پائی تھی، جس مجلس میں ہوتے اپنی نوا سنجی اور طلاقتِ لسانی سے مجلس میں چھائے رہتے۔ بیتے ہوئے واقعات، بالخصوص کسی صاحبِ حیثیت یا کسی صاحبِ علم سے نوک جھونک کی تفصیلات اس طرح بیان فرماتے کہ ان کے حافظے پر رشک آتا اور غالب کا یہ مصرعہ لوحِ حافظہ پر اُبھر آتا ع ذکر اس پری وش کا، اور پھر بیان اپنا

دو علمی امانتیں

① قاری صاحب مرحوم کے سسر محترم بھی ایک بلند پایہ عالم دین تھے: مولانا داؤد راغب

www.KitaboSunnat.com

رحمانیؒ۔ اُنہوں نے کئی کتابیں لکھیں اور کئی بڑی بڑی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے، جیسے تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ جو الفضل الکبیر کے نام سے شائع ہوا۔ امام ابن قیمؒ کی کتاب الروح کا ترجمہ، منتقی الاخبار کا اُردو ترجمہ جو دارالدعوۃ السّلفیہ کے زیر اہتمام دو جلدوں میں شائع ہوا۔ یاد رہے کہ منتقی الاخبار ہی کی شرح نیل الاوطار ہے جو امام شوکانیؒ کی تالیف ہے۔ مولانا راغب رحمانیؒ نے اس ضخیم شرح کا بھی ترجمہ کیا ہے جو ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔ قاری صاحب موصوف کی بڑی خواہش اور کوشش تھی کہ کوئی علمی ادارہ اس ضخیم شرح کے ترجمے کو شائع کردے۔ سب سے پہلے قاری صاحب نے یہ ترجمہ دارالدعوۃ السّلفیہ کے سپرد کیا، وہاں اس کی اشاعت کا بندوبست نہ ہوسکا تو پھر أنصار السنة المحمدية کے رئیس مولانا عطاء اللہ ثاقبؒ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا، لیکن وہ بھی اسے شائع نہ کرسکے۔ مولانا ثاقبؒ کی وفات کے بعد قاری صاحبؒ نے راقم کو دو تین مرتبہ بذریعہ خط ہدایت فرمائی کہ وہ دارالسلام کے روح رواں جناب عبدالمالک مجاہد صاحب حفظہ اللہ سے اس کی اشاعت کی بابت گفتگو کریں، لیکن ہر مرتبہ راقم ان کو یہی لکھتا رہا کہ ابھی فی الحال وہ اس کی اشاعت کے متحمل نہیں، کیونکہ اُنہوں نے کتبِ ستہ (صحاحِ ستہ) کے از سرِ نو اُردو تراجم کا عظیم منصوبہ شروع کیا ہوا ہے۔ اس سے فراغت کے بعد ہی وہ کسی اور بڑے علمی منصوبے پر غور کرسکتے ہیں۔

کم وبیش ایک سال قبل ڈاکٹر محمد ادریس زبیر حفظہ اللہ بانی 'الہدیٰ انٹرنیشنل' نے راقم کو بتایا تھا کہ اب الہدیٰ کی طرف سے اس کی اشاعت کا بندوبست کیا جارہا ہے۔ اللہ کرے کہ وہاں سے اس کی اشاعت عمل میں آجائے۔ بلا شبہ یہ ایک علمی امانت ہے، اس کی اشاعت جہاں ایک طرف وافر سرمائے کی متقاضی ہے، وہاں دوسری طرف اس کے لئے شدید علمی محنت اور جگرکاوی اشد ضروری ہے۔ اُمید ہے کہ الہدیٰ اس علمی امانت کا علمی حق صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ وبیداللہ التوفیق والسداد

② جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ قاری صاحب کے والدِ گرامی قدر اپنے وقت کے پختہ عالم اور عظیم محدث تھے، انہوں نے عربی زبان میں صحیح بخاری پر ایک علمی مقدمہ تحریر فرمایا تھا جو ابھی

www.KitaboSunnat.com

تک قلمی صورت میں ہے۔ حالانکہ اس کو تحریر کئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ قاری صاحب موصوف کی خواہش تھی کہ کوئی صاحبِ علم وتحقیق اس پر نظرثانی فرما کر اسے قابل اشاعت بنا دے۔ اس سلسلے میں شیخ الحدیث مفتی جماعت مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کا نام بھی تجویز کیا گیا تھا، اب معلوم نہیں کہ قاری صاحب کا ان سے رابطہ ہوا یا نہیں؟ مزید تفصیلات راقم کے علم میں نہیں۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ مذکورہ مقدمہ کس صورت میں ہے اور کس کے پاس ہے، نیز اس پر تحقیق ونظرثانی کا کچھ کام ہوا ہے یا نہیں؟

بہرحال یہ بھی ایک علمی امانت ہے جس کی بہ حفاظت اشاعت کا بندوبست ہونا چاہئے اور اس سلسلے میں قاری صاحبؒ کے ورثا کو بھی پورا تعاون کرنا چاہئے تاکہ ان کے جدامجد کی یہ علمی امانت ضائع ہونے سے بچ جائے۔ وما علینا إلا البلاغ

قاری صاحبؒ کا آبائی علاقہ کھنڈیلہ تھا جو راقم کیجائے پیدائش (جے پور) کے قریب ایک جگہ تھی۔ پہلے یہ جے پور ہندو ریاست کی راج دہانی تھا، اب صوبہ راجستھان کا حصہ ہے۔ ہماری بڑی ہمشیرگان بتلاتی ہیں کہ قاری صاحب یا ان کے والد محترم جب کھنڈیلہ سے جے پور آتے تو ہمارے ہاں بھی تشریف لاتے تھے۔ اس اعتبار سے ایک گونہ خاندانی اور آبائی تعلق بھی قاری صاحب مرحوم سے تھا۔ اس تعلق کو جب تک راقم کے والدین کی رہائش کراچی شہر میں رہی، قاری صاحب نبھاتے رہے اور ہمارے گھر تشریف لاتے رہے۔ لانڈھی منتقل ہونے کے بعد البتہ یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ صرف ایک مرتبہ لانڈھی تشریف لے گئے، اس موقع پر بڑی ہمشیرہ مرحومہ نے مونگ کی دال کا حلوہ ان کے لئے بنایا، تو ان کو بہت پسند آیا، اس کے بعد جب بھی راقم سے ملاقات ہوتی تو اس حلوے کی تعریف فرماتے، کیونکہ مرحوم خوش پوشاکی کے ساتھ ساتھ خوش خوراک بھی تھے۔ غفر اللہ له وارحمه

اب وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خوب میزبانی فرمائے اور جنت کے انواع واقسام کے کھانوں سے ان کو شادکام اور مغفرت ورحمت کی سلسبیل سے ان کو سیراب فرمائے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.39 NO.6
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرسالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700